ماہنامہ
جہد حق

پاکستان کمیشن
برائے انسانی حقوق
HRCP

Monthly JEHD-E-HAQ - December 2020 - Registered No. CPL-13 (قیمت10روپے) جلدنمبر27......شمارہ نمبر12 ...... دسمبر2020

دنیا بھر میں چار کروڑ افراد جدید غلامی کا شکار ہیں

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1 تمام انسان آزاد اور حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ -2 ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔

دفعہ - 3 ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 4 کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جاسکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔

دفعہ - 5 کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ - 6 ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

دفعہ - 7 قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔

دفعہ - 8 ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، بااختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔

دفعہ - 9 کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 10 ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق وفرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

دفعہ - 11 (1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جاسکی ہوں۔

(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

دفعہ - 12 کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط وکتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 13 (1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل وحرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آجانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ - 14 (1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

(2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جاسکتا جو خالصتا غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔

دفعہ - 15 (1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

دفعہ - 16 (1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔

(3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ - 17 (1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 18 ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19 ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔

دفعہ - 20 (1) ہر شخص کو پرامن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

دفعہ - 21 (ا) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

(3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ - 22 معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور تقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشونما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ - 23 (1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب ومعقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب ومعقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جاسکے۔

(4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ - 24 ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔

دفعہ - 25 (1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح وبہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہ قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔

(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ - 26 (1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ - 27 (1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں

دفعہ - 28 ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہوسکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔

دفعہ - 29 (1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشونما ممکن ہے۔

(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح وبہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔

(3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔

دفعہ - 30 اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جاسکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

فہرست

پریس ریلیزیں 3

جدید غلامی کا مختصر جائزہ 05

جبری تبدیلی مذہب، اور تکفیر کے قوانین کا غلط استعمال 11

ایک برس سے 'فوج کی تحویل' میں انسانی حقوق کے کارکن کی اپنی بیٹی سے پہلی ملاقات 12

پاکستان کے قوانین کی نظر میں بچوں کے حقوق 15

انسانی حقوق کے فروغ اور تحفظ کے لیے ایڈووکیسی 16

ایچ آر سی پی کی نئی کاؤنسل منتخب
ریاست سے مطالبہ کہ وہ انسانی حقوق کی پاسداری کرے

اپنے چونتیسویں سالانہ عمومی اجلاس (اے جی ایم) کے اِختتام پر، ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) کی جنرل باڈی نے ریاست سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ انسانی حقوق کے میدان میں اپنی کارکردگی بہتر کرے۔ اِس ضمن میں، آزادیٔ اِظہار کے تحفظ کو یقینی بنانے، اور سیاسی اختلاف کو دبانے کے لیے لوگوں کو غدّاری و دہشت گردی کے الزامات میں ملوث کرنے اور انہیں اٹھا کر غائب کرنے کے رجحان کے خاتمے پر خصوصی توجہ دے۔

ایچ آر سی پی نے ریاست سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ صحت کے حق اور سماجی تحفظ کو بنیادی حقوق کا درجہ دینے کا اخلاقی فریضہ نبھائے۔ کمیشن نے حکومت پر قومی کمیشن برائے انسانی حقوق کے نئے چیئرپرسن کی تقرری اور ادارے کی مکمل فعالی و مالیاتی خودمختاری کو یقینی بنانے پر بھی زور دیا ہے۔

اے جی ایم کے دوران قرارداد میں اُٹھائے گئے دیگر معاملات میں ایچ آر سی پی نے عورتوں، بچوں اور خواجہ سراؤں کے خلاف بڑھتے ہوئے تشدد نیز شیعہ برادری کے خلاف مذہب کی توہین کے مقدمات میں تیزی پر تشویش کا اظہار کیا۔ کمیشن جو آرزو راجہ کے واقعے پر گہری نظر رکھے ہوئے ہے، نے پرزور مطالبہ کیا ہے کہ مذہب کی جبری تبدیلی پر فی الفور قابو پایا جائے۔ کمیشن نے احمدی برادری کے خلاف جاری وساری ظلم پر بھی تشویش کا اظہار کیا ہے۔

کمیشن نے لاہور میں ایک احتجاجی مظاہرے کے بعد دو کسانوں کی ہلاکت کی مذمت کی ہے، اور مطالبہ کیا ہے کہ ریاست بلوچستان اور خیبر پختونخوا کی کانوں میں کام کے حالات میں بہتری لانے کے لیے عملی اقدامات کرے۔

سندھ اور بلوچستان کے دو ساحلی جزائر کو اپنی ملکیت میں لینے کے وفاقی حکومت کے فیصلے پر ایچ آر سی پی نے شدید تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ یہ فیصلہ ہزاروں ماہی گیروں کو روزگار سے محروم کردے گا۔ کمیشن نے خیبر پختونخوا میں ضم ہونے والے نئے اضلاع میں اصلاحات کی سست روی نیز عورتوں کی نقل وحرکت اور تعلیم پر بڑھتی ہوئی شدت پسندی کے منفی اثرات پر فکرمندی کا اظہار بھی کیا ہے۔

اس کے علاوہ، ایچ آر سی پی نے زور دے کر کہا ہے کہ گلگت بلتستان کے باشندوں کو انہی حقوق و آزادیوں سے مستفید ہونے کا استحقاق حاصل ہے جو آئین کے تحت ملک کے دیگر شہریوں کو حاصل ہیں، اور حکومت سے بابا جان سمیت ضمیر کے تمام قیدیوں کی رہائی مطالبہ کیا ہے۔

ایچ آر سی پی نے تین برس (23–2020) کے لیے 31 اراکین پر مشتمل کاؤنسل کا انتخاب کیا ہے۔ عالمی سطح پر انسانی حقوق کی معروف وکیل اور انسانی حقوق کے دفاع کاروں کے لیے اقوامِ متحدہ کی سابق خصوصی مندوب حنا جیلانی کو کمیشن کا چیئرپرسن منتخب کیا گیا ہے۔ انسانی حقوق کے تجربہ کار کارکن اسد اقبال بٹ کو شریک چیئرپرسن، جبکہ نامور صحافی اور ٹریڈ یونین رہنماء حسین نقی کو خزانچی منتخب کیا گیا ہے۔ کاؤنسل نے بلوچستان، خیبر پختونخوا، سندھ اور پنجاب کے نئے وائس چیئرپرسنز بھی منتخب کیے ہیں۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 09 نومبر 2020]

حکومت کو عقل مند قیادت کا کردار ادا کرنا ہوگا

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) کے لیے یہ امر پریشانی کا سبب ہے کہ وفاقی حکومت میں یہ اہلیت یا آمادگی نظر نہیں آرہی کہ وہ مستحکم و شمولیتی جمہوریت کو اپنے سیاسی اختلافات سے بالاتر قرار دے کر عقل مند قیادت کا کردار ادا کرے۔

سیاسی منظرنامے کو مفاہمت اور اتفاقِ رائے کے رنگ سے رنگنے کے بجائے، حکومت کے بعض اراکین نے سیاسی حزبِ

اختلاف کو تنبیہ کہ اِن کا بیانیہ دہشت گردوں کے حملوں کو دعوت دے گا، غیر ذمہ دارانہ اور خطرناک ہے۔ اِسی طرح، سابق سپیکر قومی اسمبلی محترم ایاز صادق کو ہندوستانی پائلٹ ابھینندن کے روپ میں پیش کر کے ان کے خلاف مہم چلانا قابلِ مذمت ہے۔

ایچ آر سی پی حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ پختہ سوچ اپنائے اور خوراک کی تیزی سے بڑھتی قیمتوں ایسی صورتِ حال میں عام شہریوں کی معاشی ضروریات پوری کرنے، جبری گمشدگیوں کے خاتمے، عورتوں و بچوں کے خلاف بڑھتے ہوئے تشدد پر قابو سمیت انسانی حقوق کے دیگر مسائل پر توجہ دے۔

[پریس ریلیز-لاہور-05 نومبر 2020]

گلگت-بلتستان کے انتخابات غیر اطمینان بخش ہیں

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کو یہ جان کر تشویش ہوئی ہے کہ آزاد انتخابی جائزہ کاروں، اور چار واقعات میں ایچ آر سی پی کے جائزہ کاروں کی ٹیم کو گلگت میں ووٹوں کی گنتی کے دوران پولنگ سٹیشنوں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی گئی۔ گلگت یونین آف جرنلسٹس نے بھی ایسا ہی دعویٰ کیا ہے۔ اس کے علاوہ، ایچ آر سی پی کی ٹیم کو شیر قلعہ، غذر-1 (جی بی اے-19) کے ایک پولنگ سٹیشن میں داخل نہیں ہونے دیا گیا۔ کم از کم دو واقعات میں ایچ آر سی پی کی ٹیم کو اطلاعات موصول ہوئیں کہ گانچھے اور دیامر کے اضلاع میں خواتین پولنگ سٹیشنوں میں کچھ ووٹروں نے ایک سے زیادہ مرتبہ ووٹ ڈالا۔

ایچ آر سی پی کی ٹیم سے بات کرتے ہوئے کچھ امیدواروں نے دعویٰ کیا کہ علی امین گنڈا پور، مراد سعید اور سیف اللہ نیازی سمیت حکمران جماعت کے کچھ اراکین نے گلگت-بلتستان میں انتخابی مہم جاری رکھی جو الیکشن ایکٹ 2017 کی خلاف ورزی ہے۔ ایک اور رپورٹ میں دعویٰ کیا گیا کہ کچھ امیدواروں نے خواتین تنظیموں کو حمایت کے بدلے میں اُن کے دفاتر کی تعمیر کے لیے رقم کی پیشکش کی۔ جی بی اے-18، دیامر-4 سے پی پی پی کی امیدوار سعدیہ دانش کو مبینہ طور پر جان سے مارنے کی دھمکیاں موصول ہوئیں جس کے نتیجے میں وہ انتخابی مہم کے لیے اپنے حلقے میں نہ جاسکیں۔

اگرچہ انتخابی عمل مجموعی طور پر پُرامن اور باضابطہ رہا، تاہم عملے کی کمی کے باعث ووٹروں کی طویل قطاریں دیکھنے میں آئیں۔ زیادہ تر پولنگ سٹیشنوں میں گنجائش سے زیادہ لوگ موجود تھے اور پولنگ کے عملے، پولنگ ایجنٹوں اور ووٹروں نے ایس او پیز کو بڑے پیمانے پر نظر انداز کیا۔ دور افتادہ علاقوں میں پولنگ ایک گھنٹے تک کی تاخیر سے شروع ہوئی جس کی ایک وجہ خراب موسم بھی تھا۔ ایچ آر سی پی کو یہ دیکھ کر تشویش ہوئی کہ پولنگ سٹیشنوں پر معذوری کا شکار افراد کے لیے کسی قسم کے خصوصی انتظامات نہیں کیے گئے تھے۔

تاہم، کئی امیدواروں کا کہنا ہے کہ وہ الیکشن کمیشن کی کارکردگی سے خوش تھے جس نے اتفاق رائے سے ایک ضابطہ اخلاق تشکیل دینے کی غرض سے ایک کُل جماعتی کانفرنس منعقد کی تھی۔ اطلاعات کے مطابق، الیکشن کمیشن نے الیکشن ایکٹ 2017 کی خلاف ورزی پر مختلف جماعتوں کو 300 سے زائد نوٹس تو جاری کیے لیکن اس کے باوجود ایکٹ کی دفعات پر عمل درآمد نہیں کیا۔

ایچ آر سی پی کے لیے یہ بات باعثِ تشویش ہے کہ کُل پولنگ کا وقت ختم ہونے کے بعد بڑے پیمانے پر ہوائی فائرنگ کی گئی۔ ایچ آر سی پی وفاقی حکومت، حزبِ اختلاف اور مقامی انتظامیہ سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ یقینی بنائیں کہ نتائج کا اعلان کیے جانے کے دوران بڑھتے ہوئے تناؤ کے تناظر میں گلگت پُرامن رہے۔

[پریس ریلیز-لاہور-16 نومبر 2020]

جہدِ حق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔ جو خامیاں/ کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجیے۔
- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ/ اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 -ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہدِ حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر یا انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتے تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جاسکے۔

جہدِ حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

جدید غلامی کا مختصر جائزہ

تعارف

غلامی انسانی حقوق کا پہلا معاملہ تھا جس کے متعلق عالمی سطح پر وسیع پیمانے پر تشویش کا اظہار کیا گیا۔ تاہم، عالمگیر مذمت کے باوجود، غلامی سے ملتی جلتی روایات بیسویں صدی کے آخری برسوں تک ایک سنگین مسئلے کی شکل میں بدستور رائج رہیں۔

غلاموں کی تجارت اور غلامی کے خاتمے کے 1926 کے کنونشن کے مطابق غلامی سے مراد کسی فرد کی ایسی حیثیت یا حالت ہے کہ دیگر فرد/ افراد اس کی ذات پر مالکانہ حقوق سے متعلق جزوی یا مکمل اختیارات استعمال کریں۔ برطانیہ نے غلامی کے خاتمے کے ایکٹ 1833 کے ذریعے غلامی ختم کی جس کے نتیجے میں غلامی کے خاتمے کی عالمی تحریک شروع ہوئی۔ تاہم، غلامی کا خاتمہ نہیں ہو سکا۔ اِس وقت یہ پہلے سے کہیں زیادہ گھناؤنی شکلوں میں رائج ہے اور دنیا کے ہر ملک کے لوگ اِس سے متاثر ہو رہے ہیں۔ عورتیں جسم فروشی پر مجبور کی جا رہی ہیں، مرد شعبہ زراعت یا تعمیرات میں جبری کام کرنے پر مجبور ہیں، بچوں سے بیگار خانوں میں محنت کروائی جا رہی ہے، اور لڑکیوں کو بڑی عمر کے لوگوں کے ساتھ زبردستی بیاہا جا رہا ہے۔ ہر ایک کیس میں، متاثرین کی زندگیوں کو اُن کا استحصال کرنے والوں نے کنٹرول کر رکھا ہے؛ اُنہیں کوئی کام کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

جدید غلامی ایک سنگین اور اکثر اوقات پس پردہ سرزد ہونے والا جرم ہے جس میں مجرمانہ مفاد کے لیے لوگوں کا استحصال کیا جاتا ہے۔ یہ جرم غلامی، بیگار، جبری و لازمی غلامی اور انسانی اسمگلنگ پر مشتمل ہے۔ اس میں متاثرہ فرد کے انسانی حقوق کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اُسے کسی دوسرے فرد کے فائدے (عام طور پر مالی مفاد) کے لیے یا مفاد کی نیت سے استعمال کیا جاتا ہے یا اُس کا استحصال کیا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ متاثرین کی حالتِ زار کا فائدہ اٹھانے والے مجرمان ذاتی حیثیت سے چھوٹے پیمانے پر کاروبار چلا رہے ہوں یا وہ کسی منظم جرائم پیشہ نیٹ ورک کا حصہ ہوں۔

جدید غلامی کی بنیادی خصوصیات

دنیا بھر میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد اپنے کام کار کے حالات کے حوالے سے انسانی حقوق کی پامالیوں اور ناانصافیوں کا سامنا کر رہی ہے۔ اِس دستاویز میں ایسے حالات کی نشاندہی کی گئی ہے جو 'جدید غلامی' کی تعریف پر پورا اترتے ہیں۔

☆ اِن حالات کا شکار فرد اس صورت حال سے چھٹکارا نہیں پا سکتا؛

☆ متاثرہ افراد کو اپنی حالتِ زار ختم کرنے کے لیے کسی قسم کی مدد یا معاونت میسر نہیں ہوتی؛

جدید غلامی ایک سنگین اور اکثر اوقات پس پردہ سرزد ہونے والا جرم ہے جس میں مجرمانہ مفاد کے لیے لوگوں کا استحصال کیا جاتا ہے۔ یہ جرم غلامی، بیگار، جبری و لازمی غلامی اور انسانی اسمگلنگ پر مشتمل ہے۔ اس میں متاثرہ فرد کے انسانی حقوق کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اُسے کسی دوسرے فرد کے فائدے (عام طور پر مالی مفاد) کے لیے یا مفاد کی نیت سے استعمال کیا جاتا ہے یا اُس کا استحصال کیا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ متاثرین کی حالتِ زار کا فائدہ اٹھانے والے مجرمان ذاتی حیثیت سے چھوٹے پیمانے پر کاروبار چلا رہے ہوں یا وہ کسی منظم جرائم پیشہ نیٹ ورک کا حصہ ہوں۔

☆ یہ صورتحال مسلسل جاری رہتی ہے بجائے اس کے کہ کوئی ایک واقعہ پیش آئے یا الگ تھلگ واقعات کا سلسلہ چلے؛

☆ متاثرہ افراد کو تشدد کا نشانہ بننے کا خطرہ ہر وقت لاحق رہتا ہے، اُن لوگوں کی طرف سے جن کا متاثرہ افراد پر کنٹرول ہوتا ہے؛

جدید غلامی کی شکلیں

جدید غلامی کی کئی شکلیں ہیں۔ دنیا کے مختلف علاقوں میں غلامی کی مختلف شکلیں رائج ہیں اور یہ وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ انسانی اسمگلنگ جدید غلامی کا بنیادی جزو ہونے کی حیثیت سے اس حوالے سے سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ انسانوں کی اسمگلنگ (ٹی ایچ بی) ایک ایسا جرم ہے جس سے انسانی حقوق کے کئی پہلو جڑے ہوئے ہیں۔ متاثرہ فرد کے استحصال کی خاطر اُسے بھرتی کیا جاتا ہے اور پھر اُسے اندرون یا بیرون ملک اسمگل کیا جاتا ہے۔ انسانی اسمگلنگ کے متاثرین اپنی عمر اور صنف کی بنیاد پر مختلف طرح کے استحصال کا نشانہ بنتے ہیں۔ یہ تاثر عام ہے کہ ٹی ایچ بی کے ذریعے عورتوں اور لڑکیوں کا جنسی استحصال کیا جاتا ہے۔ استحصال کی یہ قسم انسانی اسمگلنگ کے لیے بنیادی محرک کا کام کرتی ہے۔ البتہ، انسانی اسمگلنگ کی اور بھی وجوہات ہیں اور اس سے عورتیں اور مرد دونوں متاثر ہوتے ہیں۔ ٹی ایچ بی کے دیگر مقاصد میں بیگار خانوں میں کام، گھریلو مشقت، کھیتوں، کانوں، فیکٹریوں میں کام اور ماہی گیری، جبری شادی، اعضا کی پیوند کاری، کھیل، (مثال کے طور پر اونٹوں کی دوڑ)، بچوں کو گود لینا اور بھیک شامل ہیں۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل کے مطابق، جدید غلامی کی چھ واضح اقسام ہیں اور ہر ایک قسم میں متاثرہ فرد کے استحصال کی خاطر اسے کسی دوسرے ملک یا اندرون ملک اسمگل کیا بھی جا سکتا ہے اور نہیں بھی کیا جا سکتا۔ ان اقسام میں درج ذیل شامل ہیں:

1۔ **بچوں کی مشقت:** جدید غلامی کی اس قسم میں مزدور کی عمر کام کرنے کی قانونی عمر سے کم ہوتی ہے۔ اس لیے اس کے استحصال کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں کیونکہ کم تنخواہوں اور کام کے برے حالات کے خلاف احتجاج کا امکان بالغ مزدوروں کے مقابلے میں بچوں کی طرف سے کم ہوتا ہے۔

2۔ **گروی مشقت:** اس قسم کی غلامی میں فرد کو قرضے کی واپسی کے لیے ایک آلے کے طور پر کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ مزدور کو اکثر ان کے کام کے 'معاوضے' کے طور پر بنیادی خوراک اور رہائش دی جاتی ہے، مگر ہوسکتا ہے کہ وہ کبھی بھی قرضے کی ادائیگی نہ کر سکیں اور اس طرح وہ قرضہ اُن کی اگلی نسلوں کو منتقل ہو جاتا ہے۔

3۔ **جبری مشقت:** غلامی کی یہ قسم اُن لوگوں کو متاثر کرتی ہے جنہیں افراد، حکومتیں، یا سیاسی جماعتیں غیر قانونی طریقے سے بھرتی کرتی ہیں اور اُن سے اُن کی منشاء کے خلاف کام لیا جاتا ہے۔ غلامی کی اِس شکل کے متاثرین کو اکثر تشدد اور دیگر سزاؤں کی دھمکی دی جاتی ہے اور عمومی طور پر اُنہیں ان کے کام کا بہت کم معاوضہ ملتا ہے یا ملتا ہی نہیں۔

4۔ **جبری شادی:** غلامی کی اس شکل کا نشانہ لڑکیاں اور

عورتیں بنتی ہیں جنہیں کہا جاتا ہے کہ اُنہیں فلاں مردوں کے ساتھ شادی کرنی ہے اور اس حوالے سے اُنہیں اپنا انتخاب کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اُن میں سے کئی لڑکیوں اور عورتوں کے ساتھ اُن کے شوہر غلاموں جیسا سلوک کرتے ہیں اور وہ اکثر اوقات جسمانی تشدد کا نشانہ بنتی ہیں۔

5۔ **نسل کی بنیاد پر غلامی:** غلامی کی یہ شکل ایسے لوگوں کو متاثر کرتی ہے جو ایک ایسے 'گروہ' میں پیدا ہوتے ہیں جن کے بارے میں معاشرہ سمجھتا ہے کہ ان سے غلامانہ مشقت لینا مناسب ہے۔ اس 'گروہ' کی بنیاد طبقے، نسل یا لسانیت پر ہو سکتی ہے۔ اس گروہ میں پیدا ہونے والے لوگ زندگی بھر امتیاز کا نشانہ بنتے ہیں اور اُنہیں اپنے کام یا آجر کا انتخاب کرنے کی آزادی نہیں ہوتی۔

6۔ **جنسی غلامی:** غلامی کی اِس شکل کا نشانہ لڑکیاں اور عورتیں بنتی ہیں، مگر بعض اوقات لڑکے بھی بنتے ہیں۔ اُنہیں جنسی افعال انجام دینے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ عموماً اُنہیں کمروں میں بند کر دیا جاتا ہے اور جسمانی و جنسی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے یا نشانہ بنائے جانے کی دھمکی دی جاتی ہے۔ درحقیقت، مرضی کے بغیر جنسی اختلاط ریپ ہے۔

غلامی، اسمگلنگ اور کنٹرول

جدید غلامی کی کئی اقسام میں انسانی اسمگلنگ کا عنصر شامل ہوتا ہے۔ لوگوں کو ان کے ملک کے اندر یا دیگر ملکوں اور براعظموں میں اسمگل کیا جاتا ہے، بعض اوقات جبری طور پر، تا کہ انتہائی سخت حالات میں ان سے تضحیک آمیز کام کروایا جائے۔ جب لوگوں کو بیرون ممالک منتقل کیا جاتا ہے تو اکثر اوقات وہ تن تنہا ہوتے ہیں، مقامی زبان نہیں بول سکتے اور سماجی و قانونی امداد کے ذرائع سے محروم ہوتے ہیں۔ اسمگلر عموماً ان کی شناختی دستاویزات ضبط کر لیتے ہیں۔ اپنی دستاویزات تک رسائی نہ ہونے اور اپنے علاقے سے دور ہونے کی وجہ سے، آزادی کے لیے فرار مشکل اور پُرخطر ہوتا ہے۔ بعض اسمگل شدہ بچوں کو اغوا کیا گیا ہوتا ہے۔ مگر یہ رجحان بھی عام ہے کہ والدین اپنے بچوں کے بہتر معاشی مستقبل کے لیے خود ان کی اسمگلنگ کی اجازت دیتے ہیں اور بعض خاندان غربت کے باعث ایسا کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اسمگلرز اکثر لوگوں کو یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ ان کے بچوں کو اپنی حالت بہتر کرنے کا موقع ملے گا۔ غربت اور انتہائی مایوسی دھوکہ دہی کے لیے سازگار حالات پیدا کرتے ہیں۔

جدید غلامی سے مستفید کون ہوتے ہیں؟

غلامی کا زیادہ تر ملکوں کی قومی معیشت پر کوئی کردار باقی نہیں رہا۔ البتہ، یہ کئی ممالک میں مجرمانہ تجارت میں ملوث چھوٹے گروہوں کو دولت مند بنا سکتی ہے۔ آج کے دور میں غلامی دنیا بھر میں غیر قانونی ہے۔ موجودہ دور کے غلاموں کو قانونی طور پر ملکیت میں نہیں لیا جاتا۔ انسانوں کی کھلے عام خرید و فروخت موجودہ غلامی سے تبدیل ہوگئی ہے جس میں لوگوں کو تشدد اور دیگر ذرائع سے کنٹرول کیا جاتا ہے تا کہ پیسے کمانے کے لیے انہیں استعمال میں لایا جا سکے۔ عام طور پر یہ پائیدار نہیں ہوتی مگر متاثرین کو کم ہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی

2005 میں عالمی ادارہ صحت (آئی ایل او) نے بھی اسی طرح کے عالمی سروے کا اہتمام کیا۔ سروے کے مطابق کم از کم ایک کروڑ 23 لاکھ افراد غلامی کا شکار تھے۔ ہو سکتا ہے کہ غلاموں کی قطعی تعداد کبھی بھی معلوم نہ ہو سکے مگر یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ دنیا بھر میں کروڑوں لوگ غلامی کا شکار ہیں۔ دو کروڑ ستر لاکھ سے کہیں زیادہ لوگ دنیا بھر میں استحصال کا نشانہ بن رہے ہیں۔

آزادی پر جبری بندش کب ختم ہوگی، چنانچہ یہاں تک کہ قلیل مدت کی غلامی بھی انتہائی المناک نتائج برآمد کر سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر غلامی کی فراہمی کے ذرائع کے خاتمے کے لیے طریق ہائے کار دستیاب نہ ہوں تو حکومت اور عام صارف بھی غلامی سے مستفید ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب حکومت اُن بھٹوں سے اینٹیں لیتی ہے جو گروی مزدوروں سے کام کرواتے ہیں تو وہ سستی پیداوار سے مستفید ہوتی ہے۔ یہی کام صارفین اور شہری کرتے ہیں۔ ہم سب اِس میں ملوث ہیں۔

آج کے دور میں غلاموں کی تعداد کتنی ہے

جب غلامی کو قانونی حیثیت حاصل تھی اور اسے کھلے عام تسلیم کیا جاتا تھا تو اس وقت غلاموں کی تعداد جاننا آسان تھا۔ اب چونکہ غلامی غیر قانونی ہے اور خفیہ طریقے سے رائج ہے، اس لیے ان کی تعداد کے بارے میں جاننا قدرے مشکل ہے۔ غلامی کے محققین مختلف تعریفات استعمال کرتے ہیں، چنانچہ انہوں نے مختلف اعداد و شمار پیش کیے ہیں۔ 2002 میں، غلاموں کو آزاد کرو نامی تنظیم کے صدر کیون بیلز نے 100 سے زائد ممالک میں غلاموں کی تعداد شمار کی۔ ان کا اندازہ تھا کہ آج کی دنیا میں تقریباً دو کروڑ، ستر لاکھ افراد غلام ہیں۔ 2005 میں عالمی ادارہ صحت (آئی ایل او) نے بھی اسی طرح کے عالمی سروے کا اہتمام کیا۔ سروے کے مطابق کم از کم ایک کروڑ 23 لاکھ افراد غلامی کا شکار تھے۔ ہو سکتا ہے کہ غلاموں کی قطعی تعداد کبھی بھی معلوم نہ ہو سکے مگر یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ دنیا بھر میں کروڑوں لوگ غلامی کا شکار ہیں۔ دو کروڑ ستر لاکھ سے کہیں زیادہ لوگ دنیا بھر میں استحصال کا نشانہ بن رہے ہیں۔ کئی لوگ سخت ترین حالات میں طویل وقت تک کام کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ انہیں ان کی محنت کا صلہ نہیں ملتا۔ بچے اور نوجوان، خاص طور پر غریب ملکوں میں، محسوس کرتے ہیں کہ ان کے خاندان روز مرہ بنیادوں پر انہیں جو کام سونپتے ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جو انہیں اپنے خاندان کے کام میں ہاتھ بٹانے کے لیے کیا جانا چاہیے۔ لفظ 'غلامی' اِس طرح کے حالات کو بیان کرنے کے لیے عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔ مگر غلاموں اور ایسے لوگوں کے بارے میں اہم فرق جو غلام نہیں ہیں مگر ان کے ساتھ بُرا سلوک ہوتا ہے اور بری طرح استحصال ہوتا ہے، اس وقت سامنے آتا ہے جب وہ دیگر مواقع کے حصول کے لیے اپنی صورت حال سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک مزدور کے لیے عام طور پر ممکن ہوتا ہے کہ وہ کسی اور ملازمت کے لیے تشدد کے خطرے کا سامنا کیے بغیر اپنے آجر کو چھوڑ سکے۔ موجودہ دور کے غلاموں کو اپنے آجر کو چھوڑنے کی کوشش پر بھی سخت سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور اگر وہ چھٹکارا پانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو اکثر ان کا تعاقب کیا جاتا ہے اور واپس بیگار خانے میں ڈال دیا جاتا ہے۔

مختلف ممالک میں جدید غلامی کا تاثر

دولت مند ملکوں میں کم لوگ غلامی کا شکار ہیں مگر جو غلامی کا شکار ہیں انہیں جبری جسم فروشی کا نشانہ بنائے جانے کے زیادہ امکانات ہیں۔ غریب ملکوں میں زیادہ لوگ غلام ہیں مگر وہاں جبری جسم فروشی کا نشانہ بننے والوں کی تعداد دیگر جبری مزدوروں کے مقابلے میں کم ہے۔ جدید غلامی کا نشانہ بننے کے امکانات کا شہریتی حیثیت کے ساتھ قریبی تعلق ہے۔ غلامانہ سلوک کا نشانہ بننے والوں کی بڑی تعداد تارکین وطن مزدوروں پر مشتمل ہے جن کی ترک وطنی کی حیثیت محفوظ نہیں جس کی وجہ سے وہ استحصال و بدسلوکی کی صورت میں مدد کے لیے حکومتی اہلکاروں سے رجوع کرنے سے ڈرتے ہیں۔ وہ اکثر اپنی مرضی سے ہجرت کرتے ہیں مگر دھوکہ دہی پر مبنی معلومات کی بنیاد پر۔ جب وہ منزل مقصود پر پہنچتے ہیں تو اُنہیں وہاں پہنچانے والے لوگ یا ادارے اپنا عہد توڑ دیتے ہیں۔ لہٰذا وہ مزدور غلامی کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں کیونکہ اُنہیں سفری اخراجات کے لیے لیا گیا قرضہ واپس کرنے کے لیے مشقت کرنا پڑتی ہے۔

جدید غلامی کا سلسلہ کیوں رواں دواں ہے؟

ملکوں نے غلامی کی روک تھام کے لیے قوانین منظور کیے اور عالمی معاہدوں پر دستخط کیے ہیں مگر ان قوانین پر اکثر عملدرآمد نہیں کیا جاتا۔ حکام جانتے ہیں کہ غلامی رائج ہے مگر وہ اس کے خاتمے کے لیے ٹھوس اقدامات نہیں کرتے۔

مثال کے طور پر پاکستان نے 1995 میں گروی مشقت کے خلاف قوانین منظور کیے تھے مگر ابھی تک کسی کو سزا نہیں ملی اور گروی مشقت جاری ہے۔ ہندوستان میں بھی اس طرح کے قوانین ہیں جو معمولی جرمانوں کے علاوہ کسی کو بھی قید کی سزا دلوانے میں ناکام ہیں۔ کئی ملکوں نے انسانی اسمگلنگ کے خلاف سخت قانون سازی کی ہے مگر عورتوں اور لڑکیوں کی کنیڈا، امریکہ، برطانیہ اور دیگر یورپی ملکوں میں اسمگلنگ کا سلسلہ جاری ہے جہاں انہیں جسم فروشی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

امریکہ کے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے اندازوں کے مطابق 17,500 افراد کو ہر سال امریکہ لایا جاتا ہے تا کہ اُن سے مختلف قسم کی جبری مشقت کروائی جائے، خاص طور پر زرعی کام، جسم فروشی، گھریلو خدمت یا بیگار خانوں میں مشقت۔ دنیا کا امیر ترین اور طاقتور ملک اس عمل کی مؤثر روک تھام میں ناکام ہے یا اس کے لیے آمادہ نہیں۔ غلامی مخالف عوامی شعور اور سماجی ایکٹوازم پر یقین رکھنے والے کارکنوں کا کہنا ہے کہ غلامی کے خلاف قوانین کے نفاذ کے لیے عوام کے شعور و تعلیم میں اضافہ، نیز سرکاری اقدامات ضروری ہیں۔ اُن کا یہ بھی کہنا ہے کہ غلامی سے چھٹکارا پانے والوں کو معاشی، عملی اور نفسیاتی امداد کی ضرورت ہے تا کہ وہ دوبارہ غلامی کے چُنگل میں نہ پھنس جائیں۔ جیسا کہ 19 صدی میں ہوا، سابقہ غلام جو کامیابی کے ساتھ بحالیِ نو کے عمل سے گزرے، موجودہ غلامی کے خلاف طاقتور مہم جُو ثابت ہو سکتے ہیں۔ آج کی غلامی عام طور پر پس پردہ ہے۔ بہت سے لوگوں کو شاید یہ احساس بھی نہیں ہے کہ یہ جاری ہے، کن علاقوں میں اور کس طرح جاری ہے یہ جاننا تو دور کی بات ہے۔ مگر لوگوں کے پاس یہ معلومات ہوں تو پھر وہ مہم چلا کر مثبت پیش رفت لا سکتے ہیں۔ اگر سکول کے طالب علموں کو پتہ چل جائے کہ اُن کے دیگر ہم عُمر بچوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے تو ممکن ہے کہ وہ آج کے دور کے غلاموں کو آزادی دلانے کے لیے خود اپنے خیالات کی بنیاد پر مہم چلانے کے لیے آمادہ ہو جائیں۔

جدید غلامی کا مقابلہ

1990 کی دہائی تک یہ سوچ عام تھی کہ غلامی قِصّہ پارینہ بن چکی ہے۔ مگر اِس خود تسکین خیال کو انسانی حقوق کے کارکنوں نے چیلنج کر دیا ہے جنہوں نے لوگوں کو یہ احساس دلایا ہے کہ موجودہ غلامی کی کئی شکلیں بدستور موجود ہیں۔ 100 سے زائد حکومتوں نے غلامی کے خلاف نئے قوانین مرتب کیے ہیں، خاص طور پر گلوبل ساؤتھ میں جہاں موجودہ غلامی کے کئی متاثرین مقیم ہیں۔ غیر سرکاری تنظیمیں (این جی اوز) ان معاملات کو اجاگر کرنے میں سرگرم عمل ہیں۔ قدرے پرانی این جی اوز جیسے کہ ایمنسٹی انٹرنیشنل اور ہیومن رائٹس واچ نے دنیا بھر میں انسانی حقوق کی وسیع تر سرگرمیوں میں موجودہ غلامی کی مثالوں کو بھی اجاگر کیا ہے۔

امریکہ کے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے اندازوں کے مطابق 17,500 افراد کو ہر سال امریکہ لایا جاتا ہے تا کہ اُن سے مختلف قسم کی جبری مشقت کروائی جائے، خاص طور پر زرعی کام، جسم فروشی، گھریلو خدمت یا بیگار خانوں میں مشقت۔ دنیا کا امیر ترین اور طاقتور ملک اس عمل کی مؤثر روک تھام میں ناکام ہے یا اس کے لیے آمادہ نہیں۔ غلامی مخالف عوامی شعور اور سماجی ایکٹوازم پر یقین رکھنے والے کارکنوں کا کہنا ہے کہ غلامی کے خلاف قوانین کے نفاذ کے لیے عوام کے شعور و تعلیم میں اضافہ، نیز سرکاری اقدامات ضروری ہیں۔ اُن کا یہ بھی کہنا ہے کہ غلامی سے چھٹکارا پانے والوں کو معاشی، عملی اور نفسیاتی امداد کی ضرورت ہے تا کہ وہ دوبارہ غلامی کے چُنگل میں نہ پھنس جائیں۔

ماضی میں غلامی کی تاریخی مخالفت: ماضی میں غلامی کی تاریخی مخالفت کے دو ذرائع تھے: اوّل، افریقی غلام، اور دوئم، انسدادِ غلامی کے حامی (وہ لوگ جو خود تو غلام نہیں تھے مگر غلامی کے خاتمے کے لیے پُرعزم تھے)۔ غلاموں کو درپیش خطرات کے باوجود، کھیتوں اور اراضیوں پر کام کرنے والے غلاموں نے کئی بار بغاوت کی۔ کچھ غلام اُن علاقوں میں آباد ہو گئے جو برطانوی تسلط سے آزاد تھے۔ دیگر نے اسلحہ اٹھایا اور میدانِ جنگ میں اپنی آزادی کو یقینی بنایا۔ جہاں کہیں بھی غلامی کا خاتمہ ہوا، غلام اور سابقہ غلام دونوں کہانی کے مرکزی کردار تھے۔ بحرِ اوقیانوس پار غلامی کا مقصد نو آبادیوں کا حصول اور اُنہیں برقرار رکھنا، سلطنتوں کا استحکام، اور آبائی وطن میں صنعت کو مضبوط کرنا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ غلامی کے خاتمے کے حامی طاقتور معاشی مفادات کا مقابلہ کر رہے تھے۔ غلاموں کے مالکان کا دعویٰ تھا کہ غلامی معاشی و مذہبی نقطہ نظر سے جائز ہے۔ غلامی کے خاتمے کے حامیوں کی مہم کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور قانون سازوں نے غلامی کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد غلامی اور غلامی سے ملتی جلتی سرگرمیاں اور جبری مشقت اُن معاملات میں سرِفہرست تھیں جو لیگ آف نیشنز کی توجہ کا مرکز بنے۔ رائے عامہ کی تبدیلی اور جغرافیائی حکمت عملی سے متعلق معاملات اِس موضوع پر توجہ بڑھانے کا سبب بنے۔

اگرچہ، 1833 میں پارلیمان کے قانون کے ذریعے سلطنت برطانیہ میں غلامی ختم کر دی گئی، مگر ریاستوں کو غلاموں کی تجارت اور غلامی سے معاشی مفاد اٹھانے کا سلسلہ جاری رکھنے کی اجازت سے برطانیہ کے تجارتی مفادات بہت بڑے نقصان سے دوچار ہو سکتے تھے۔ غلامی کو بے نقاب کرنے اور اس کی مخالفت کرنے والی تحریک نے کئی حکمتِ عملیاں اور تدابیر اپنائیں:

- ☆ سابقہ غلاموں نے غلامی کے خلاف اپنا مقدمہ مضبوط کرنے کے لیے اپنی تقریروں اور تحریروں میں پُراثر شواہد پیش کیے۔
- ☆ غلامی کے انسداد کے حامیوں نے غلامی کے خلاف مضامین اور پمفلٹ تیار کیے اور خُطبے اور لیکچر دیے۔
- ☆ لوگوں نے پٹیشنوں پر دستخط کیے جن میں غلامی کے خاتمے کا مطالبہ کیا گیا۔
- ☆ لوگوں نے اُن مصنوعات کا بائیکاٹ کا جنہیں غلام مزدوروں نے تیار کیا تھا، مثال کے طور پر 300,000 افراد نے چینی کا بائیکاٹ کیا جو اُن صنعتوں سے تیار ہو رہی تھی جنہیں غلام مزدور چلا رہے تھے، پمفلٹ تقسیم کئے گئے جن میں لوگوں کو کہا گیا کہ وہ صرف آزاد مزدوروں کی محنت سے تیار ہونے والی چینی استعمال کریں۔
- ☆ عورتوں نے ایسی اشیاء خریدیں جن پر جُھکے ہوئے، زنجیروں میں جکڑے افریقی غلاموں کی تصویریں تھیں۔ انہیں چوڑیوں اور بال پنوں میں استعمال کیا گیا تا کہ غلامی کے خاتمے کی حمایت کی تشہیر ہو۔
- ☆ امریکہ میں کارکنوں نے بھاگ جانے والے غلاموں کو محفوظ مقام تک پہنچانے اور ان کی زندگیوں کی تعمیرِ نو میں ان کی مدد کی۔ غلامی کے بعض مخالفین نے بچ نکلنے والے غلاموں کو اپنے گھروں میں 'ٹھہرنے' کی اجازت دی تا کہ ان کے لیے مناسب خوراک، پناہ اور پیسوں کا بندوبست ہو سکے۔ بعض نے 'کنڈکٹرز' کا کام کیا۔ اور غلاموں کو ویگنوں یا تانگوں میں سوار کر کے اسٹیشنوں پر تعینات اہلکاروں سے چُھپا کر محفوظ مقامات پر منتقل کیا۔

آج کے کارکنوں کی جدوجہد

جدید غلامی کے خلاف کام کرنے والے کارکن ان حکمتِ عملیوں کا جدید طریق ہائے کار کے تحت استعمال کر رہے ہیں، مثلاً اخبارات اور ویب پر مضامین، اطلاعات، غلامی کے شکار لوگوں کے متعلق حالیہ شواہد، فلمیں، پٹیشنیں اور احتجاجی مظاہرے۔

غلامی مخالف انٹرنیشنل نے حال ہی میں ’کاٹن کرائمز‘ پر ایک تحریک شروع کی ہے جس کا مقصد اُزبکستان میں کپاس کی صنعت میں بچوں سے غلامانہ مشقت کا خاتمہ ہے۔ اُزبکستان کپاس برآمد کرنے والا دنیا کا تیسرا بڑا ملک ہے مگر کپاس کی کٹائی کے تین ماہ کے دورانیے میں بچوں سے مشقت لی جاتی ہے۔ زیادہ تر اُزبک کپاس یورپی منڈی میں بیچی جاتی ہے۔ اس تحریک کے تحت پورے یورپ کی سطح پر ایک پٹیشن پیش کی گئی ہے، یورپی پارلیمان کے اراکین کو خطوط لکھنے کا اہتمام کیا گیا اور دوکانداروں کو کہا گیا کہ وہ تھوک فروشوں کو خطوط لکھ کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ وہ کپاس سے بنی جو مصنوعات فروخت کر رہے ہیں کہیں وہ غلامانہ مشقت سے تو نہیں بن رہیں۔

غلامی مخالف انٹرنیشنل کی دوسری تحریک کا نام ’ہوم الون‘ ہے جس کا مقصد عوام کو گھریلو ملازمین جن میں سے کئی جدید غلامی کا شکار ہیں، کی حالتِ زار سے آگاہ کرنا اور اس طرح کی غلامانہ سرگرمیوں کو چیلنج کرنا ہے۔ فیکٹ شیٹوں اور پوسٹرز اور گھریلو ملازمین کے ویڈیو کلپس جن میں وہ اپنی کہانیاں بتاتے ہیں، کے ذریعے عوام کو آگاہی دی جاتی ہے۔

فیئر ٹریڈ فاؤنڈیشن اور گڈ وِیو ایسی مثالیں ہیں جن کے ذریعے صارفین سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اپنا اختیار استعمال کرتے ہوئے اُن لوگوں کے منافع کی راہ میں حائل ہوں جو اپنے منافع کے لیے غلامانہ مشقت کا استعمال کرتے ہیں۔ اپنی مصنوعات کے لیے شفاف تجارت کا لیبل لینے کے خواہاں صنعتوں کو یقینی بنانا ہوگا کہ ان کی مصنوعات کی تیاری میں جبری مشقت یا بچوں کی مشقت کا استعمال نہ ہو۔ برطانیہ اور دیگر ملکوں میں کارکن اپنے مقامی علاقے کے لیے ’شفاف تجارت ٹاؤن‘ کا رتبہ حاصل کرنے کے لیے سرگرم عمل ہیں اور صارفین کو آگہی دینے اور قائل کرنے کے لیے سالانہ مہم ”شفاف تجارت پندرھواڑہ“ پر اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہیں۔ گڈ ویو جنوبی ایشیا میں ہاتھ سے بنے غالیچے کی صنعت کو سرٹیفکیٹ جاری کرتی ہے۔ گڈ وِیو لیبل اس چیز کو یقینی بناتا ہے کہ پیداوار کے لیے بچوں سے مشقت نہ کروائی جائے۔

بانڈ لیبر لبریشن فرنٹ اور بچپن بچاؤ اندولن جیسی براہ راست اقدام کرنے والی تحریکیں اور مہم جو بھی ہیں جو جدید غلاموں کو ان علاقوں سے بازیاب کرواتے ہیں جہاں اُنہیں رکھا جاتا ہے، اور اُن کی زندگیوں کی تعمیرِ نو میں ان کی مدد کرتی ہیں۔

وہ بچوں کو غیر قانونی مشقت سے آزاد کروانے کے لیے کیے جانے والے خفیہ آپریشن ’چھاپوں‘ کے ساتھ ساتھ لابنگ اور احتجاجی مظاہروں کے ذریعے عوامی مہمات چلانے کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ گزشتہ صدیوں کی طرح وہ لوگ جو غلامی کا شکار ہیں یا رہے ہیں، انصاف کی مہموں کو پُر اثر بنانے کا کام کر رہے ہیں۔ جدید غلامی سے چھٹکارا پانے والے کئی افراد نے اپنے حامی گروپ تشکیل دیے ہیں یا اُن میں شامل ہوگئے ہیں اور اُن لوگوں کی آزادی اور وقار کے لیے سرگرم عمل ہیں جو ابھی تک غلامی کا شکار ہیں۔

اگرچہ بحرِ اوقیانوس پار غلامی کو انیسویں صدی میں غیر قانونی قرار دے دیا گیا تھا مگر یہ تسلیم کیا گیا کہ غلامی کی کئی اقسام بدستور رائج ہیں چنانچہ بیسویں صدی میں نئے قوانین کی ضرورت تھی۔

ذیل میں ان عالمی وعلاقائی قوانین کا تاریخ وار ذکر کیا گیا ہے جو غلامی کے خاتمے کے لیے گزشتہ 10 برسوں میں منظور کیے گئے۔

جدید غلامی کے خلاف قانون سازی کا تاریخ وار بیان

1926	**لیگ آف نیشنز کا غلامی کنونشن** حکومتوں کو پابند بناتا ہے کہ وہ ’غلامانہ تجارت کی روک تھام کریں اور اس پر قابو پائیں، اور اس امر کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ ’جبری مشقت کو غلامی سے ملتے جلتے حالات میں تبدیل ہونے سے روکنے‘ کی ضرورت ہے۔
1930	**جبری مشقت پر آئی ایل او کنونشن** کے مطابق جبری مشقت سے مراد ایسا کوئی بھی کام اور خدمت ہے جو کسی فرد سے سزا کی دھمکی دے کر غیر رضا کارانہ طور پر لی جائے۔ تاہم، کنونشن اور آئی سی سی پی آر کے تحت جبری مشقت کی ممانعت سے بعض استثناء موجود ہیں۔ مثال کے طور پر، جیل میں کی جانے والی مشقت کو جبری مشقت کی ممانعت سے استثناء حاصل ہے۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو کہ طویل عرصہ سے انسانی حقوق کے عالمی قانون کی نظروں سے اوجھل ہے۔
1948	**انسانی حقوق کا عالمی منشور (آرٹیکل 4)** کے مطابق، کسی فرد کو نہ تو غلام بنایا جائے گا اور نہ اس سے بیگار لی جائے گی۔ غلامی اور غلاموں کی شکل جو کوئی بھی ہو، اس پر پابندی ہے۔
1949	**انسانی سمگلنگ اور دوسروں کی جسم فروشی کے منفعت کی ممانعت کا یو این او کنونشن** کی رُو سے جسم فروشی کے ذریعے تجارتی جنسی منفعت پر پابندی ہے۔
1950	**انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے تحفظ کے لیے یورپی کنونشن (یورپی کونسل) (آرٹیکل 4)** کے مطابق ”: کسی فرد کو نہ تو غلام بنایا جائے گا اور نہ ہی اس سے بیگار لی جائے گی" اور کسی بھی فرد کو جبری یا لازمی مشقت کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔
1953	25 ستمبر 1926 کو جنیوا میں منظور ہونے والے غلامی کے خاتمے کے کنونشن میں ترمیم کرنے والا اقوام متحدہ کے پروٹوکول کی رو سے لیگ آف نیشنز پر پابندی کے کنونشن میں ذمہ داریاں اقوامِ متحدہ کو سونپی گئیں۔
1956	**غلامی، غلامی کی تجارت، اور غلامی سے ملتے جلتے اداروں اور سرگرمیوں کے خاتمے کے لیے اقوامِ متحدہ کا ضمنی کنونشن** نے ایسی متعدد سرگرمیوں اور اداروں کی تعریف فراہم کی ہے اور ان کے خلاف قوانین سازی کی ہے جو غلامی سے ملتے جلتے ہیں، خاص طور پر، گروی مشقت، غلامی، جبری شادی، اور استحصال کی خاطر بچوں کی منتقلی۔
1957	**جبری مشقت کے خاتمے سے متعلق آئی ایل او کنونشن (نمبر 105)** حکومتوں کو پابند کرتا ہے کہ وہ " کسی بھی قسم کی جبری یا لازمی مشقت" پر قابو پائیں۔
1969	**انسانی حقوق پر امریکی ریاستوں کی تنظیم (او اے ایس) کا امریکی کنونشن (آرٹیکل 6: غلامی سے آزادی)** کے مطابق: کسی بھی فرد کو غلام نہیں بنایا جائے اور نہ ہی کسی سے غیر رضا کارانہ بیگار لی جائے گی۔ ان پر پابندی ہے چاہے یہ کسی بھی شکل میں ہوں۔ اس طرح یہ غلاموں کی تجارت اور عورتوں کی اسمگلنگ پر بھی پابندی ہے اور کسی بھی فرد کو جبری یا لازمی مشقت کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ 1950 کے یورپی کنونشن کی طرح اس کنونشن کے تحت بھی حراست جیسے حالات میں مشقت کو استثناء حاصل ہے۔
1981	**انسانی وعوامی حقوق پر افریقی یونین (سابقہ، تنظیم برائے افریقی اتحاد، او اے یُو) کا افریقی منشور (آرٹیکل 5)** کے مطابق: ہر قسم کے استحصال اور انسان کی تذلیل، خاص طور پر غلامی، غلامانہ تجارت، ایذا رسانی، ظالمانہ، غیر انسانی یا تضحیک آمیز سزا اور سلوک پر پابندی ہوگی۔
1989	**بچوں کے حقوق پر اقوام متحدہ کا کنونشن (آرٹیکل 34 اور 35)** کی رُو سے بچوں کو جسم فروشی اور فحش نگاری سمیت ہر قسم کے استحصال سے تحفظ حاصل ہے اور بچوں کا اغوا، فروخت اور اسمگلنگ ممنوع ہے۔
1998	**دستورِ روم برائے عالمی فوجداری عدالت** نے ہیگ میں عالمی فوجداری عدالت قائم کی جسے نسل کشی، انسانیت کے خلاف جرائم، جنگی جرائم اور غلامی سے متعلق جرائم کی سماعت کا اختیار حاصل ہے۔
1999	**بچوں کی مشقت کی بدترین اقسام کی ممانعت اور ان کے خاتمے کے لیے فوری اقدام سے متعلق آئی ایل او کنونشن (182)** نے، بچوں کی مشقت کی بُری اور استحصالی اقسام میں امتیاز کرنے کے مسئلے پر قابو پایا ہے اور غلامی، گروی مشقت، جبری مشقت، مسلح افواج کے لیے بھرتی، جسم فروشی اور منشیات کی اسمگلنگ جیسی بدترین اقسام کی نشاندہی بھی کی ہے۔
2000	**لوگوں خاص طور پر عورتوں اور بچوں کی اسمگلنگ کی روک تھام، خاتمے اور سزا کے لیے یو این کا پروٹوکول (سرحد پار منظّم جرم کے خلاف یو این کنونشن 2000 کا حصہ)** ریاستوں کو پابند کرتا ہے کہ وہ انسانوں کی اسمگلنگ کی روک تھام کریں اور اس کا مقابلہ کریں، اسمگلنگ کا نشانہ بننے والوں کو تحفظ و مدد فراہم کریں اور ان مقاصد کے حصول کے لیے ریاستوں کے درمیان تعاون کو فروغ دیں۔
2005	**انسانوں کی اسمگلنگ کے خلاف اقدام سے متعلق یورپی کونسل کا کنونشن** اس کنونشن کا مقصد منفی برابری کو یقینی بناتے ہوئے انسانوں کی اسمگلنگ پر قابو پانا اور اس کا مقابلہ کرنا ہے۔ متاثرین اور گواہوں کی حفاظت و مدد کرنا بھی اس کا مقصد ہے تاکہ موثر تحقیقات اور قانونی کارروائی کو یقینی بنایا جاسکے۔ انسانی اسمگلنگ کے خلاف عالمی تعاون کا فروغ بھی کنونشن کے مقاصد میں شامل ہے۔
2011	**آئی ایل او کنونشن برائے گھریلو ملازمین** کا مقصد گھروں میں کام کرنے والے بالغ و کمسن ملازمین کو استحصال سے تحفظ فراہم کرتا ہے۔
2014	**جدید غلامی کا مسودہ قانون** برطانوی حکومت نے پارلیمان کو جدید غلامی کے متعلق ایک مسودہ قانون پیش کیا ہے۔

پاکستان میں جدید غلامی

غلامی کے عالمی گوشوارے 2 0 1 8 کے مطابق، پاکستان 167 ممالک کی فہرست میں آٹھویں نمبر پر ہے۔ رپورٹ کے مطابق، 3,186,000 افراد گروی مشقت کا شکار ہیں جبکہ ہر 100 میں سے 71.12 افراد کو اس کا نشانہ بننے کا خطرہ لاحق ہے۔ جدید غلامی پر ملکی سطح کے کوائف کے ساتھ، غلامی کے عالمی گوشوارے 2018 میں بعض مخصوص ممالک کے متعلق تحقیقی اعداد و شمار بھی شامل ہیں۔ ذیل کے جدول میں پاکستان میں جدید غلامی کی اقسام اور اس کی زد میں لانے والے عوامل کے بارے میں بھی بتایا گیا ہے۔ اس میں ان درآمدات کی زیادہ سے زیادہ قدر کے بارے میں بھی بتایا گیا ہے جن کے بارے میں خدشہ ہے کہ وہ جبری مشقت

سے تیار ہوئی ہیں نیز جدید غلامی پر برطانوی ایکٹ کے تحت کیے جانے والے بیانات کے متعلق معلومات بھی ہیں۔ جدول میں پاکستان میں جدید غلامی کے پھیلاؤ کے بارے میں واضح تصویر کشی کی گئی ہے اور حکومتی اقدامات کے حوالے سے کئی مختلف اشاریوں کی درجہ بندی کی گئی ہے۔ اشاریوں کے درجات حکومتی ردعمل میں واضح کمی کی نشاندہی کرتے ہیں۔

پاکستان

جدید غلامی کے پھیلاؤ کی سطح: 8/167

جدید غلامی میں جکڑے افراد کی اندازاً تعداد	3,186,000
اندازاً کتنے فیصد لوگ جدید غلامی کا شکار ہیں	16.82/1000
کتنے فیصد لوگ جدید غلامی کی زد میں آسکتے ہیں	74.12/100
حکومت کے ردِعمل کا درجہ	C
آبادی	189,389,513
جی ڈی پی (پی پی پی)	$5,246

حکومتی ردِعمل

سنگِ میل 1: غلامی سے چھٹکارا پانے والوں کی نشاندہی کی گئی اور ان کی مدد کی گئی تاکہ وہ غلامی سے چھٹکارا پاسکیں اور دوبارہ کبھی اس کا نشانہ نہ بنیں۔

اشاریہ	درجہ
قومی مہمات عوام کو یہ معلومات فراہم کرتی ہیں کہ متاثرین کی اطلاع کیسے دی جائے اور ان کی نشاندہی کیسے کی جائے۔	نہیں
عوام کی جانب سے جدید غلامی کے رپورٹ ہونے والے واقعات میں اضافہ ہوا ہے	نہیں
متاثرین کی معاونت کی خدمات جدید غلامی کے تمام متاثرین کے لیے دستیاب نہیں ہیں	نہیں
فرنٹ لائن پر 'عام ڈیوٹیاں' انجام دینے والی پولیس کے لیے بنیادی قانونی ڈھانچوں اور متاثرین کی نشاندہی سے متعلق تربیت کا اہتمام کیا گیا ہے	ہاں
مبینہ متاثرین کو ان کی مرضی کے خلاف پناہ گاہوں میں رکھا جاتا ہے اور انہیں اس بات کا اختیار نہیں ہوتا کہ آیا انہیں پناہ گاہ میں رہنا ہے یا نہیں	نہیں

سنگِ میل 2: فوجداری انصاف کے نظام ہائے کار جدید غلامی پر قابو پانے کے لیے مؤثر طور پر کام کرتے ہیں

اشاریہ	درجہ
افراد، خاص طور پر خواتین اور بچوں کی اسمگلنگ کی روک تھام، ممانعت اور سزایابی سے متعلق پروٹوکول جو کثیر الملکی منظّم جرم کے خلاف اقوامِ متحدہ کے معاہدہ، 2000ء کی تکمیل کا سبب بنتا ہے	نہیں
آئی ایل او گھریلو ملازمین کا معاہدہ، 2011ء (نمبر 189)	نہیں
بچوں کی جسم فروشی کو جرم قرار دیا گیا ہے	نہیں
اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ جدید غلامی کے متاثرین کے ساتھ ایسے طرزِ عمل کی بناء پر جو مجرموں کے زیرِ کنٹرول رہ کر انجام دیا گیا ہو مجرموں جیسا برتاؤ کیا گیا ہے	ہاں
عدالتی سزائیں جرم کی شدت اور مجرم کی سزاواری کے لحاظ سے موزوں نہیں ہیں	ہاں

سنگِ میل 3: قومی اور علاقائی سطح پر اشتراک پایا جاتا ہے اور حکومتوں کو اُن کے ردِعمل کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔

اشاریہ	درجہ
حکومت اور این جی اوز پر مشتمل قومی تعاون کا ادارہ موجود ہے	نہیں
قومی ایکشن پلان واضح اشاریوں اور ذمہ داریوں کی تخصیص کے ساتھ موجود ہے	نہیں
قومی ایکشن پلان کے نفاذ اور مؤثر پن کا جائزہ لینے کے لیے ایک آزاد ادارہ موجود ہے	نہیں
جدید غلامی سے متعلق معاملات پر اشتراک کے حوالے سے حکومت اور خطے کے ممالک یا ان علاقوں کے درمیان معاہدہ موجود ہے جہاں لوگوں کو اسمگل کر کے بھیجا جاتا ہے	ہاں
ممالک کے درمیان تارکین وطن محنت کشوں سے متعلق ایسا معاہدہ موجود ہے جو تارکین وطن محنت کشوں کو تحفظ فراہم کرتا ہو	نہیں

سنگِ میل 4: خطرے کے عوامل، جیسے کہ رویوں، سماجی نظام ہائے کار، اور ادارے جو جدید غلامی کی اجازت دیتے ہوں، کا ازالہ کیا جائے۔

اشاریہ	درجہ
حکومت جدید غلامی کے عدم پھیلاؤ پر تحقیق کے لیے فنڈز مہیا کرتی ہے یا اس میں آسانی پیدا کرتی ہے۔	ہاں
حکومت غیر رسمی شعبے میں لیبر سے متعلق معائنے کا اہتمام کرتی ہے تاکہ جدید غلامی کے واقعات کی نشاندہی کی جاسکے	نہیں
سرکاری پرائمری تمام بچوں کے لیے تعلیم لسانی و ثقافتی یا مذہبی پس منظر سے بالاتر ہو کر دستیاب ہے	نہیں
حکومت شہریوں کی واپسی کو شناختی دستاویزات فراہم کرتی ہے اور ان کے سفری انتظامات میں معاونت کرتی ہے	نہیں

سنگِ میل 5: حکومت اور کاروباری ادارے ایسی مصنوعات اور خدمات کی سورسنگ روک دیتے ہیں جو جبری مشقت کے ذریعے تیار کی گئی ہوں۔

اشاریہ	درجہ
پبلک پروکیورمنٹ کے عہدے داروں کے لیے ہدایات موجود ہیں	نہیں
پبلک پروکیورمنٹ میں جبری مشقت کے استعمال کی روک تھام کے حوالے سے حکومتی اقدامات سے متعلق سالانہ رپورٹس پیش کی جاتی ہیں اور یہ عام دستیاب ہوتی ہیں	نہیں
حکومتوں نے زیادہ خطرات والے شعبوں کی نشاندہی کی ہے اور ان شعبوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لیے اقدامات کیے ہیں تاکہ جدید غلامی کا خاتمہ کیا جاسکے	نہیں
حکومتیں سرمایہ کاری کی رقوم اور متعلقہ ممالک میں موجود بینکوں کے لیے ایک ذمہ دارانہ سرمایہ کاری کی رپورٹنگ کی شرط پر عمل درآمد کرتی ہیں تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جاسکے کہ سرمایہ کاری جدید غلامی کی حمایت نہ کرے	نہیں
ایسے قوانین موجود ہیں جن کے مطابق جو کمپنی ڈائریکٹر یا کمپنیاں جو جدید غلامی پر قابو پانے اور پہلے درجے کی سپلائی چین میں ذمہ دارانہ مناسب اقدامات کرنے میں ناکام رہتی ہیں وہ فوجداری جرم کی مرتکب ہوں گی	نہیں

غلامی کی ممانعت: پاکستان میں قانون سازی

آئینِ پاکستان میں لوگوں کی معاشی اور سماجی بہبود اور سماجی انصاف کے فروغ سے متعلق دفعات موجود ہیں۔ زندگی یا آزادی کے تحفظ، غلامی اور جبری مشقت کی ممانعت سے متعلق بنیادی حقوق، اور انجمنیں اور یونینیں بنانے کا حق، بشمول دیگر، کا آئین میں ذکر کیا گیا ہے۔ تقسیم سے پہلے (1947ء میں پاکستان کی آزادی سے پہلے) بچوں کی جبری مشقّت پر قابو پانے والے قانون کا نام 'بچوں (گروی مشقّت) کا ایکٹ 1933ء تھا جس کا مقصد ایسے معاہدوں کی ممانعت کرنا تھا جن کے تحت بچوں کی مشقّت گروی رکھی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ اس قانون کا مقصد ایسے بچوں کی مشقت کی ممانعت کرنا تھا جن کی مشقت والدین یا سرپرستوں کی جانب سے گروی رکھی جاتی تھی۔ تقسیم کے بعد کے دور میں،

> **تقسیم کے بعد کے دور میں، آئینِ پاکستان کا آرٹیکل 3 اور 11 گروی مشقّت کے خاتمے کی ضمانت دیتا ہے اور ریاست کو پابند کرتا ہے کہ وہ ہر قسم کے استحصال کا بتدریج خاتمہ کرے۔ آرٹیکل 11 قرار دیتا ہے کہ غلامی غیر موجود اور ممنوع ہے اور ایسا کوئی بھی قانون نہیں بنایا جاسکتا جو اسے پاکستان میں کسی بھی شکل میں متعارف کرائے جانے کی اجازت دیتا ہو یا اس میں آسانی پیدا کرتا ہو۔**

آئینِ پاکستان کا آرٹیکل 3 اور 11 گروی مشقت کے خاتمے کی ضمانت دیتا ہے اور ریاست کو پابند کرتا ہے کہ وہ ہر قسم کے استحصال کا بتدریج خاتمہ کرے۔ آرٹیکل 11 قرار دیتا ہے کہ غلامی غیر موجود اور ممنوع ہے اور ایسا کوئی بھی قانون نہیں بنایا جاسکتا جو اسے پاکستان میں کسی بھی شکل میں متعارف کرائے جانے کی اجازت دیتا ہو یا اس میں آسانی پیدا کرتا ہو۔

اس حوالے سے جس واحد استثناء کی اجازت ہے وہ ایسی لازمی مشقّت ہے جو کسی عدالت کی جانب سے دی گئی سزا کا حصہ ہو، یا پھر ایسا کام جس کا تقاضہ قانون کی جانب سے کسی سرکاری مقصد کی خاطر کیا گیا ہو، مگر اس کے لیے بھی شرط یہ ہے کہ کوئی بھی لازمی سروس ظالمانہ نوعیت کی یا انسانی وقار کے خلاف نہیں ہوگی۔

گروی مشقّت کا احاطہ آئین کا آرٹیکل 3 بھی کرتا ہے جو کہتا ہے کہ 'ریاست ہر قسم کے استحصال کے خاتمے اور اس بنیادی اصول کی تدریجی تکمیل کو یقینی بنائے گی کہ ہر ایک سے اُس کی اہلیت کے مطابق کام لیا جائے گا اور ہر کسی کو اُس کے کام کے مطابق معاوضہ دیا جائے گا'۔ چونکہ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ گروی مشقت استحصال کا سبب بنتی ہے اور گروی مزدور کو نہ تو اپنی قابلیت کے مطابق کام کرنے کا موقع ملتا ہے اور نہ ہی اسے اپنے کام کے مطابق معاوضہ ملتا ہے، اس کا خاتمہ ایک آئینی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے۔

گروی مشقت کی آئین کے آرٹیکل 14 (جو فرد کی عزتِ نفس کی پامالی اور ایذارسانی کی ممانعت کرتا ہے)، آرٹیکل 15 (نقل وحرکت اور رہائش کی آزادی)، اور آرٹیکل 37 (ہ) (کام کے منصفانہ اور انسانی حالات کو یقینی بنانے کی ریاستی ذمہ داری) کے تحت ممانعت ہے۔ کسی فرد کو گروی مشقت کے تحت رکھنے کا مطلب اسے اس کی بنیادی آزادیوں جیسے کہ نقل وحرکت کی آزادی (آرٹیکل 15)، اجتماع کی آزادی (آرٹیکل 16)، انجمن سازی کی آزادی (آرٹیکل 17)، پیشے کی آزادی (آرٹیکل 18)، تقریر کی

آزادی (آرٹیکل 19)، اور مساوی شہری ہونے کے حق (آرٹیکل 25) سے محروم کرنا ہے۔ اِن آئینی دفعات کا مختلف قوانین وضع کر کے اطلاق کیا گیا ہے۔ مندرجہ ذیل قوانین گروی مشقت سے متعلق دفعات کا اطلاق کرتے ہیں:

☆ گروی مشقت/ جبری مشقت سے متعلق قوانین
☆ بچوں (مشقت کو گروی رکھنا) کا ایکٹ، 1933
☆ بانڈڈ لیبر سسٹم (خاتمہ) ایکٹ، 1992ء (جس کا اطلاق دارالحکومت اسلام آباد کے علاقوں اور بلوچستان پر ہوتا ہے)
☆ بانڈڈ لیبر سسٹم (خاتمہ) ایکٹ، 1992ء (پنجاب نے 2012ء میں منظور کیا)
☆ خیبر پختونخوا بانڈڈ لیبر سسٹم (خاتمہ) ایکٹ، 2015
☆ سندھ بانڈڈ لیبر سسٹم (خاتمہ) ایکٹ، 2015ء
☆ پنجاب بھٹوں پر بچوں کی مشقت کے خاتمے کا ایکٹ، 2016ء
☆ انسانی اسمگلنگ کی ممانعت اور روک تھام کا آرڈیننس، 2002ء
☆ پنجاب مزارعت ایکٹ، 1887ء
☆ سندھ مزارعت ایکٹ، 1950ء
☆ این ڈبلیو ایف پی مزارعت ایکٹ، 1950ء
☆ بلوچستان مزارعت آرڈیننس، 1979ء
☆ ضابطہ تعزیرات پاکستان، 1860ء

بانڈڈ لیبر سسٹم (خاتمہ) ایکٹ، 1992ء گروی مشقت

معاہدوں کی دفعات اور سفارشات پر عمل درآمد کے لیے صوبائی سطح پر اداراتی فریم ورک موجود ہے۔ اس حوالے سے لیبر سے متعلق صوبائی محکمے، صوبائی پولیس اور داخلی محکمے، اور وزارت داخلہ (وفاقی سطح پر) اور اس سے منسلک شعبے بشمول وفاقی تحقیقاتی ایجنسی (ایف آئی اے) بھی موجود ہے۔

کا خاتمہ کرتا ہے اور ان رواجاتی انتظامات کو ہدف بناتا ہے جو گروی مشقت کا باعث بنتے ہیں۔ یہ ایسے کسی بھی قرضوں کا بھی خاتمہ کرتا ہے جن کی ادائیگی کے لیے افراد کو مشقت کرنے پر مجبور کیا گیا ہو۔ گروی مشقت سے متعلقہ دیگر قوانین میں انسانی سمگلنگ کی ممانعت اور روک تھام کا آرڈیننس، 2002ء (معاشی اور جنسی استحصال پر قابو پانا) اور ضابطہ تعزیرات پاکستان، 1860ء (معاشی اور جنسی استحصال کی روک تھام) شامل ہیں۔

بانڈڈ لیبر سسٹم (خاتمہ) ایکٹ ملک میں گروی مشقت کے خاتمے کا بندوبست کرتا ہے۔ گروی مشقت کی سرگرمی اس ایکٹ کے نفاذ کے بعد ایک قابل سزا جرم ہے (جس کی سزا کم از کم 2 سال اور زیادہ سے زیادہ 5 سال، اور کم از کم پچاس ہزار روپے جرمانہ، یا دونوں سزائیں ہوں گی)۔ ایسی ہی دفعات خیبر پختونخوا اور سندھ کے نئے وضع کیے گئے قوانین میں بھی موجود ہیں۔ قانون کے نفاذ کا جائزہ لینے اور آزاد کرائے گئے گروی مزدوروں کی بحالی میں مدد کے لیے ضلعی سطح پر نگران کمیٹیاں تشکیل دی گئی ہیں۔

انسانی سمگلنگ کی روک تھام اور قابو پانے کے آرڈیننس 2002ء کے مطابق، اگر کوئی شخص جانتے بوجھتے ہوئے کسی بھی فائدے کے حصول کی خاطر یا استحصالی تفریح، غلامی یا جبری مشقت کے مقصد کی خاطر پاکستان کے اندر اور باہر انسانی سمگلنگ کی منصوبہ بندی کرتا ہے یا اس میں ملوث پایا جاتا ہے، یا اس مقصد کے لیے پاکستان کے اندر یا باہر بچوں کو گود لیتا ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ سات سال قید اور جرمانے کی سزا کا مستوجب ہوگا۔

ضابطہ تعزیرات پاکستان میں بھی جبری یا گروی مشقت سے متعلق دفعات موجود ہیں۔ ضابطہ تعزیرات کا سیکشن 370 کسی بھی فرد کو بطور غلام خریدنے یا فروخت کرنے کی ممانعت کرتا ہے۔ کوئی بھی شخص جو کسی بھی شخص کو درآمد کرتا ہے، برآمد کرتا ہے، خریدتا ہے، بیچتا ہے، یا کسی کے حوالے کرتا ہے، یا کسی کو بطور غلام اپنی تحویل میں لیتا ہے یا قید کرتا ہے، وہ سات سال قید اور جرمانے کا مستوجب ہوگا۔ ضابطہ تعزیرات کا سیکشن 371 ایسے کسی بھی فرد کے لیے 10 سال قید اور جرمانے کی سزا تجویز کرتا ہے جو معمولاً غلاموں کا بیوپار (پیشے کے طور پر) کرتا ہو۔ ضابطہ تعزیرات کے سیکشن 374 کے مطابق، کوئی بھی شخص جو کسی فرد کو اُس کی مرضی کے خلاف لازمی مشقت (جبری مشقت) پر مجبور کرے، وہ پانچ سال قید، یا جرمانے یا دونوں سزاؤں کا مستوجب ہوگا۔

معاہدوں کی دفعات اور سفارشات پر عمل درآمد کے لیے صوبائی سطح پر اداراتی فریم ورک موجود ہے۔ اس حوالے سے لیبر سے متعلق صوبائی محکمے، صوبائی پولیس اور داخلی محکمے، اور وزارتِ داخلہ (وفاقی سطح پر) اور اس سے منسلک شعبے بشمول وفاقی تحقیقاتی ایجنسی (ایف آئی اے) بھی موجود ہے۔

ملازمتیں تبدیل کرنے کی آزادی اور چھوڑنے کا حق: آئین پاکستان کے آرٹیکل 18 کے مطابق، 'ہر شخص کو کوئی جائز پیشہ یا مشغلہ اختیار کرنے اور کوئی جائز کاروبار یا تجارت کرنے کا حق ہوگا'۔ چنانچہ، محنت کش جب چاہیں، ضروری طریقہ کار کو پورا کرنے کے بعد، اپنا پیشہ چُننے اور ملازمت چھوڑنے میں آزاد ہیں۔ محنت کشوں کو اپنے مالکان کو پیشگی نوٹس دینے کے بعد ملازمت تبدیل کرنے کا حق حاصل ہے۔ (ایس او۔12 بابت سٹینڈنگ آرڈرز آرڈیننس، 1968)۔ ایسی ہی دفعات خیبر پختونخوا اور سندھ کے متعلقہ قوانین میں بھی موجود ہیں۔

بانڈڈ لیبر سسٹم (خاتمہ) ایکٹ ملک میں گروی مشقت کے خاتمے کا بندوبست کرتا ہے۔ گروی مشقت کی سرگرمی اس ایکٹ کے نفاذ کے بعد ایک قابل سزا جرم ہے (جس کی سزا کم از کم 2 سال اور زیادہ سے زیادہ 5 سال، اور کم از کم پچاس ہزار روپے جرمانہ، یا دونوں سزائیں ہوں گی)۔ ایسی ہی دفعات خیبر پختنخوا اور سندھ کے نئے وضع کیے گئے قوانین میں بھی موجود ہیں۔

غیر انسانی کام کے حالات: پاکستان میں کام کا عام دورانیہ 48 گھنٹے فی ہفتہ ہے۔ اوور ٹائم کے اوقات 24 گھنٹے فی ہفتہ (خیبر پختونخوا)، 12 گھنٹے فی ہفتہ/ 624 گھنٹے سالانہ (بلوچستان، دارالحکومت اسلام آباد، اور پنجاب)، اور سالانہ 150 گھنٹے (سندھ) ہیں۔ زیادہ تر صورتوں میں، اوور ٹائم سمیت کام کے اوقات 56 گھنٹے فی ہفتہ سے زائد ہیں۔

ماحصل

انیسویں صدی میں غلامی پر پابندی کے باوجود یہ عمل آج کے دور میں جاری و ساری ہے۔ ایک اندازے کے مطابق، گزشتہ صدیوں میں بحرِ اوقیانوس پار غلاموں کی تجارت کی بھینٹ چڑھنے والے لوگوں کی تعداد کے مقابلے میں اُن لوگوں کی تعداد زیادہ ہے جو آج کے دور میں اس برائی کا نشانہ بن رہے ہیں۔ جدید غلامی دنیا بھر میں انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے بہت بڑا چیلنج ہے، اور کئی حکومتیں نیز عالمی و علاقائی تنظیمیں اس کی روک تھام کے لیے کوشاں ہیں اور اس کے خلاف جدوجہد کر رہی ہیں۔

اگرچہ پاکستان کے قوانین کی رُو سے جدید غلامی ایک جرم ہے چاہے یہ کسی بھی شکل میں ہو، مگر اِس حوالے سے بہت ہی کم اعداد و شمار ہیں کہ کتنی تحقیقات شروع ہوئیں، کتنی خلاف ورزیوں کا سراغ لگایا گیا، کتنے ملزموں کے خلاف قانونی کارروائی ہوئی اور سزا کتنے لوگوں کو ہوئی۔ حقیقی مسئلہ اُس وقت تک موجود رہے گا اور حل نہیں ہوگا جب تک قومی سطح پر تحقیق کرنے اور کوائف اکٹھا کرنے کا کام وسیع اور ٹھوس بنیادوں پر نہیں کیا جاتا۔ جدید غلامی کی مختلف شکلوں کے خلاف مختلف شعبے کام کر رہے ہیں۔ جبری۔ گروی مشقت کی برائی سے نبٹنے کے لیے ضروری ہے کہ مختلف محکمے متعلقہ کوائف اور معلومات کا آپس میں تبادلہ کریں۔

جبری تبدیلی مذہب اور تکفیر کے قوانین کا غلط استعمال

تعزیرات پاکستان میں تکفیر کے قوانین

دفعہ 295: عبادت گاہوں کی بے حرمتی

جو شخص کسی خاص طبقے کے مذہب کی بے حرمتی کی غرض سے اُس کی عبادت گاہوں یا کسی ایسی چیز کی جو کسی خاص مذہب کے پیروکاروں کی جانب سے مقدس ٹھہرائی گئی ہو اُس کی توہین کرتا ہے یا نقصان پہنچاتا ہے تو اُس پر زیادہ سے زیادہ دو سال قید یا جُرمانہ عائد کیا جائے۔

دفعہ 295-A: مذہبی جذبات بھڑکانا

جو شخص پاکستانی شہریوں کے کسی بھی طبقے کے مذہبی جذبات بھڑکانے کی قصداً یا بُری نیت رکھتے ہوئے زبانی، تحریری یا ظاہری اشاروں کے ذریعے کسی مذہب یا کسی طبقے کے مذہبی جذبات کی توہین کرتا ہے یا ایسا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اُسے دس سال تک قید یا جرمانے کی سزا دی جاسکتی ہے۔ بیک وقت دونوں سزائیں بھی دی جاسکتی ہیں۔

دفعہ 295-B: قرآنِ پاک کی بے حُرمتی

جو شخص عملاً قرآن پاک کے کسی حصے یا جُزو کی بے حرمتی کرتا ہے یا اُسے نقصان پہنچاتا ہے یا اُسے توہین آمیز طریقے سے یا کسی غیر قانونی مقصد کیلئے استعمال میں لاتا ہے، تو اُسے عمر قید کی سزا دی جائے گی۔

دفعہ 295-C: رسول پاکؐ کی شان میں نازیبا کلمات

جو شخص الفاظ کے ذریعے، زبانی، تحریری یا ظاہری اشاروں کے ذریعے یا کسی تہمت یا تعریض کے ذریعے یا کسی حوالے کے ذریعے بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر رسول پاک ﷺ کی شان میں گستاخی کرے تو اُسے سزائے موت دی جائے گی۔

دفعہ 298-A: مقدس ہستیوں کی شان میں توہین آمیز کلمات

جو شخص لکھے ہوئے یا زبانی الفاظ یا ظاہری اشاروں سے تہمت یا تعریض کے ذریعے براہِ راست یا بالواسطہ امہات المومنین یا خلفائے راشدین کے خاندان (اہلِ بیعت) یا

جو شخص عملاً قرآن پاک کے کسی حصے یا جُزو کی بے حرمتی کرتا ہے یا اُسے نقصان پہنچاتا ہے یا اُسے توہین آمیز طریقے سے یا کسی غیر قانونی مقصد کیلئے استعمال میں لاتا ہے، تو اُسے عمر قید کی سزا دی جائے گی۔

صحابہ اکرام یا خلفائے راشدین یا حضور پاکؐ کے بارے میں توہین آمیز کلمات ادا کرے گا اُسے تین سال قید یا جرمانہ یا سزائیں دی جائیں گی۔

دفعہ 298-B: مقدس اسلامی ہستیوں سے منسوب القاب کا غلط استعمال

قادیانی یا لاہوری گروپ (جو احمدی کہلاتے ہیں) کا کوئی فرد جو زبانی یا تحریری الفاظ سے یا ظاہری اشاروں سے

1- حضور اکرم ﷺ، صحابہ اکرام یا خلفائے راشدین کے علاوہ کسی شخص کو امیر المومنین، خلیفہ المومنین، خلیفہ المسلمین، صحابی یا رضی اللہ عنہ لکھے یا پکارے۔ یا

2- حضور پاک ﷺ کی ازدواجِ مطہرات کے علاوہ کسی کو اُم المومنین لکھتا یا پکارتا ہے۔ یا

3- حضور پاک ﷺ کے اہلِ بیعت کے علاوہ کسی کو اہلِ بیعت لکھتا یا پکارتا ہے۔ یا

4- اپنی عبادت گاہ کو مسجد لکھتا اور پکارتا ہے۔

کو تین سال قید کی سزا اور جرمانہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

قادیانی یا لاہوری گروپ (جو احمدی کہلاتے ہیں) اُن کا کوئی فرد جو زبانی تحریری الفاظ سے یا ظاہری اشاروں سے اپنے عقیدے کے مطابق نماز کے لیے بلائے جانے کو اذان کہے یا مسلمانوں کی طرح اذان دے تو اُسے تین سال قید اور جرمانہ کی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔

دفعہ 298-C: قادیانی طبقے سے متعلقہ افراد کا خود کو مسلمان کہنا یا اپنے عقیدے کا پرچار کرنا

احمدی کا اپنے عقیدے کا پرچار کرنا اور خود کو مسلمان ظاہر کرنا۔ قادیانی یا لاہوری گروپ (احمدی کہلاتے ہیں) اُن کا کوئی فرد جو خود کو مسلمان ظاہر کرے اور اپنے عقیدے کو اسلام کہے، اپنے عقیدے کا پرچار کرے اور دوسروں کو اپنا عقیدہ قبول کرنے کی دعوت دے۔

سندھ کے جزائر پر قبضے کی کوشش کیخلاف فشرفوک کا احتجاجی مظاہرہ

حیدرآباد 2 نومبر کو پاکستان فشرفوک فورم کی اپیل پر سندھ کے ماہی گیروں، دانشوروں اور نوجوانوں کی بڑی تعداد نے جمع ہو کر سندھ کے جزائر ڈنگی اور بھنڈار پر صدارتی آرڈیننس کے ذریعے جبری قبضے کیخلاف نسیم نگر چوک قاسم آباد میں احتجاجی مظاہرہ کیا۔ اُس موقع پر پاکستان فشرفوک فورم کے وائس چیئر مین مصطفیٰ میرانی، رواداری تحریک کے رہنماء پنھل ساریو، سندھ یوتھ ایکشن کمیٹی کے حمزہ علی چانڈیو۔ عباس کھوسو۔ ہیومنٹی فرسٹ فاؤنڈیشن کے درشن دیو، محمد ملاح، سندھ شاگرد اتحاد کے صدر انیل حب علی، کاشف صدیقی، آزاد میرواہی ودیگر نے کہا کہ سندھ و بلوچستان کے جزائر پر شہر بنانے کی پالیسی سے ساحلی پٹی کو بے انتہا نقصان ہوگا اور بڑے پیمانے پر ماحولیاتی تباہی پھیلے گی جس کے سبب صوبے کے لاکھوں ماہی گیر بیروزگار اور لاکھوں ایکڑ پر موجود جنگلات برباد ہو جائیں گے اور سندھ ڈیلٹا بھی اُجڑ جائے۔ گا انہوں نے کہا کہ بحیرہ عرب سندھ کی حدود میں 300 سے زائد چھوٹے بڑے جزائر موجود ہیں جو ماہی گیروں کا صدیوں سے گزر بسر کا ذریعہ ہیں۔ ان جزائر سے پانچ لاکھ سے زائد مقامی ماہی گیر اپنا فطری روزگار حاصل کرتے ہیں۔ اگر ترقی کے نام پر ان جزائر پر قبضہ کر کے شہر بنائیں گے تو سندھ کے پانچ لاکھ مقامی ماہی گیر بیروزگار ہو جائیں گے اور ایسی کوئی بھی کوشش بین الاقوامی قوانین کی سنگین خلاف ورزی بھی ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ اب سندھ کے عوام کو بیدار ہونا پڑے گا اور اپنے قدرتی وسائل کی ملکیت حاصل کرنی ہوگی۔ صدارتی آرڈیننس کی شکل میں نادرشاہی حکم کے ذریعے جزائر پر قبضے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

(لالہ عبدالحلیم شیخ)

ایک برس سے 'فوج کی تحویل' میں موجود انسانی حقوق کے کارکن کی اپنی بیٹی تالیہ سے پہلی ملاقات

ادریس خٹک

'جب میں فوج کے کیمپ میں اپنے بابا سے ملنے جا رہی تھی تو میں نے سوچا جب میں بابا سے ملوں گی تو مضبوط رہوں گی۔ اُنھیں یہ تاثر دوں گی کہ باہر سب کچھ ٹھیک چل رہا ہے لیکن جب میں ملی تو میں مسلسل رو رہی تھی۔ اُنھوں نے مجھے گلے لگایا۔۔۔'

پاکستانی فوج کی خفیہ ایجنسی ملٹری انٹیلیجنس (ایم آئی) کی تحویل میں موجود ادریس خٹک کی 21 سالہ بیٹی تالیہ خٹک نے اپنے والد کے ساتھ ایک سال بعد ہونے والی ملاقات کی تفصیلات کچھ اس طرح بیان کیں۔

انسانی حقوق کے کارکن ادریس خٹک پچھلے سال اچانک لاپتہ ہو گئے تھے تاہم ان کی گمشدگی کے سات ماہ بعد حکومت نے ان کے فوج کی تحویل میں ہونے کی تصدیق کی تھی۔

ادریس خٹک کے وکیل لطیف آفریدی کے مطابق ان پر سکیورٹی اداروں کے بارے میں خفیہ معلومات رکھنے اور افشا کرنے کا الزام ہے اور ان کے خلاف سیکرٹ ایکٹ کے تحت کارروائی کی جا رہی تھی۔

بی بی سی کو دیے گئے انٹرویو میں ادریس کی صاحبزادی تالیہ نے اپنے والد سے ہونے والی ملاقات کا تفصیلی احوال بتایا ہے۔

تالیہ کا کہنا تھا کہ ادریس خٹک کے 'بال سفید ہو چکے تھے، وہ تھوڑے سے دُبلے لگے، حلقے کچھ گہرے ہو چکے تھے۔

'منہ پر چھوٹے چھوٹے سیاہ دھبے تھے۔ مجھے نہیں پتا کہ یہ اس صورتحال کی وجہ سے ہے مجھے ایسا دِکھائی دے رہا تھا کیونکہ میں ایک سال بعد بابا کو دیکھ رہی تھی اور یہ ملاقات صرف 20 منٹ کی تھی۔۔۔ پھر ہمیں کہا گیا کہ تین منٹ رہتے ہیں اور پھر کہا گیا وقت ختم ہو گیا ہے۔۔۔ جب تین منٹ بولا گیا تو مجھے لگا کہا گیا ہے کہ اب ایک بار پھر تمھارے بابا تم سے الگ ہو رہے ہیں اور نہیں معلوم پھر دوبارہ کب ملاقات ہو گی۔'

'صرف ایک شخص اندر ملنے جائے گا'

تالیہ نے بتایا کہ پانچ اکتوبر کو انھیں ایک فون آئی اور انھیں بتایا گیا کہ وہ ادریس خٹک کے محافظ افسر بات کر رہے ہیں۔

'مجھے انھوں نے سات تاریخ کو تین بجے منگلہ کینٹ کے داخلی دروازے پر بلایا اور کہا کہ اس سے آگے آپ کو اکیلے جانا پڑے گا۔'

وہ بتاتی ہیں کہ 'ہم تھوڑے ڈرے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ میرے وکیل یا میرے انکل میرے ساتھ آ سکتے ہیں لیکن انھوں نے اس سے انکار کر دیا انھوں نے کہا کہ صرف ایک بندہ اندر جائے گا۔'

تالیہ نے کہا کہ وہ اسلام آباد سے جہلم گئیں اور پھر انکل کے ساتھ طے شدہ وقت کے مطابق منگلہ کینٹ کے داخلی دروازے پر سہ پہر تین بجے پہنچ گئی۔

'ہمیں تھوڑا انتظار کرنا پڑا۔ یہ ملاقات تین سے پانچ بجے کے درمیان ہوئی تھی۔ داخلی دروازے پر انھوں نے میرے انکل کو روک دیا اور آگے صرف میں ہی گئی۔

'دو بار میری چیکنگ کی گئی۔ تلاشی لینے کے لیے وہاں خواتین بھی موجود تھیں۔ مجھے کہا گیا کہ موبائل گاڑی میں ہی چھوڑ جائیں۔'

> **انسانی حقوق کے کارکن ادریس خٹک پچھلے سال اچانک لاپتہ ہو گئے تھے تاہم ان کی گمشدگی کے سات ماہ بعد حکومت نے ان کے فوج کی تحویل میں ہونے کی تصدیق کی تھی۔ ادریس خٹک کے وکیل لطیف آفریدی کے مطابق ان پر سکیورٹی اداروں کے بارے میں خفیہ معلومات رکھنے اور افشا کرنے کا الزام ہے اور ان کے خلاف سیکرٹ ایکٹ کے تحت کارروائی کی جا رہی تھی۔**

وہ کہتی ہیں کہ جہاں انھیں لے جایا گیا 'وہ ایک منزلہ عمارت تھی۔ وہاں شاید تین کمرے ہوں گے۔'

'پشتو میں بات نہ کرنے کی شرط'

تالیہ نے بتایا کہ انھیں ایک کمرے میں بٹھایا گیا اور ملاقات کے حوالے سے وضاحت کی گئی کہ پشتو میں بات بالکل نہیں ہو گی۔

تالیہ خٹک یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ 'ہم نے اپنے والد کے ساتھ ہمیشہ پشتو میں بات کی ہے لیکن اس ملاقات میں شرط تھی کہ پشتو زبان میں بات نہیں کی جا سکتی۔'

'یہ بھی کہا گیا کہ کیس کے بارے میں بات کرنے کی بالکل بھی اجازت نہیں ہے۔ اگر ہم کیس کے بارے میں بات کریں گے تو ملاقات ختم ہو جائے گی۔

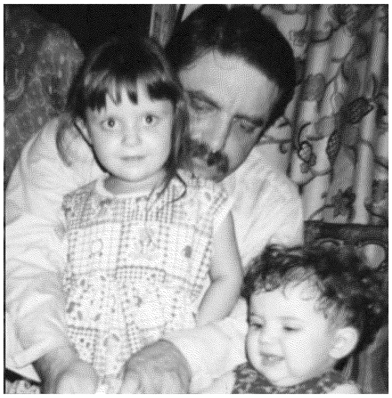

'ہم اکیلے نہیں مل سکتے کمرے میں ہمارے ہمراہ دو اور آدمی ہوں گے۔ ملاقات 20 سے 25 منٹ کی ہو گی۔'

تالیہ کے بقول ملاقات کی شرائط بتانے کے بعد پھر 'مجھے دوسری جانب لے گئے وہاں ایک کمرے میں لے جایا گیا جہاں بابا تھے۔ یہ وہ کمرہ نہیں تھا جہاں انھیں رکھا ہوا ہے۔

'وہ ایک میٹنگ روم سا بنا ہوا تھا۔ دو کرسیاں تھیں اور ہمارے درمیان میں ایک ٹیبل۔ بابا کے پیچھے دو اور کرسیاں تھیں جہاں وہ دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے اور بالکل ہمارے آنے سے پہلے مجھے لگا کہ وہ بابا کو کہیں اور سے لائے تھے۔ مجھے یہ نہیں لگتا کہ میرے بابا کو انھوں نے منگلہ کیمپ میں ہی رکھا ہوا ہے۔'

'آپ کو یہاں پرفیوم بھی ملتا ہے؟'

وہ کہتی ہیں کہ وہ جب اس کمرے میں گئیں تو 'میرے بابا پہلے سے کھڑے ہوئے تھے۔ انھوں نے بانہیں اسی طرح کھولے ہوئے تھیں جس طرح گلے لگانے کے لیے ہاتھ کھولتے ہیں۔

'بالکل اسی طرح جیسے چھٹیوں میں جب گھر جاتی تھی تو بابا ہمیں ایسے ہی ویلکم کرتے تھے۔ وہاں ملتے ہوئے پہلے ہی انھوں نے انگلش میں بات کرنا شروع کر دی تھی۔ ویلکم، ویلکم!'

'جب ہم ملے تو مجھے تھوڑی دیر لگا کہ شاید سب کچھ بالکل ٹھیک ہے۔ میں اپنے والد سے ایک سال بعد مل رہی تھی اور سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا لیکن وہ سب بہت مختصر تھا۔'

تالیہ نے بتایا 'ہم بیٹھے۔ ہم نے بات کرنا شروع کی۔ شاید زبان کی رکاوٹ تھی یا ہم ایک سال بعد مل رہے تھے۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا اس سب کی وہ پہلے سے ریہرسل کر چکے

ہیں یا جیسے پہلے انھیں بتایا جا چکا ہے کہ کیا بولنا ہے۔

وہ کہتی ہیں کہ 'وہ تیار ہو کر آئے تھے۔ انھوں نے بالکل اسی طرح شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی جیسے عام طور پر پہنتے تھے۔

'انھوں نے تازہ شیو کی ہوئی تھی۔ ہیئر کٹ نیٹ تھا۔ پرفیوم بھی لگایا ہوا تھا۔ میں جب بیٹھی تو میں نے پہلی بات یہی کی کہ کیا آپ کو یہاں پرفیوم بھی ملتا ہے۔ وہ تھوڑا سا ہنسے لیکن جواب نہیں دیا۔ ایسے لگتا تھا سب کچھ تیار کیا گیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں سہمی ہوئی تھی اس لیے یا کچھ اور تھا۔'

اس ملاقات میں گفتگو کا آغاز خاندان والوں کی خیریت کے بارے میں پوچھ کر ہوا۔

تالیہ کہتی ہیں کہ 'میں نے ان کی روٹین کے بارے میں پوچھا تو بابا نے بتایا وہ فجر کے وقت اٹھ جاتے ہیں پھر سو جاتے ہیں۔ پھر ایک پیرامیڈک انھیں اٹھاتا ہے جو ہفتے میں دو مرتبہ انھیں چیک کرتا ہے۔ میں نے پوچھا ناشتے میں کیا کھاتے ہیں۔ انھوں نے بولا آملیٹ اور پراٹھا اور وہ ہنسے بھی اور پھر مجھے بتایا کہ آج کل میں ٹوسٹ اور ایک اُبلا ہوا انڈا کھا رہا ہوں کیونکہ میرے گلے میں درد ہے۔'

'کیس بوگس ہے، ہم جلد ملیں گے'

تالیہ کہتی ہیں کہ 'میں نے والد سے پوچھا کہ آپ نے یہاں میرا کتنی دیر انتظار کیا تو انھوں نے بتایا کہ 15 منٹ جس سے مجھے لگا کہ انھیں وہاں اس وقت لایا گیا تھا۔ انھیں وہاں رکھا نہیں گیا ہوگا۔'

'میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ کیا آپ سے کوئی یہاں بات کرنے والا ہوتا ہے تو انھوں نے اس کا جواب نہیں دیا۔ یہ بتایا کہ انھیں پڑھنے کے لیے کتابیں دی جاتی ہیں۔

اپنے انٹرویو میں تالیہ نے اس خیال کا اظہار کیا کہ انھیں لگتا ہے کہ ادریس خٹک کو ملٹری کورٹ میں شروع ہونے والے ان کے کیس کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

وہ کہتی ہیں کہ گفتگو کے دوران ادریس خٹک نے ایک جگہ بولا کہ 'کیس بوگس ہے اور انشا اللہ ہم جلد ملیں گے۔'

جب بی بی سی نے ان سے دریافت کیا کہ ملاقات کی شرائط میں تو کیس پر بات کرنے کی اجازت نہیں تھی لیکن آپ کے درمیان جب یہ تذکرہ ہوا تو کیا اس موقع پر یا آگے وہاں موجود افسران نے ٹوکا؟

تالیہ اس کے جواب میں کہتی ہیں 'نہیں۔ ہم نے زیادہ وقت فیملی اور روٹین کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ انھوں نے کیس کے بارے میں ایک مختصر جملہ بولا۔ پھر انھوں نے جلدی سے گفتگو کا رُخ بدل دیا تا کہ اس پر اور بات نہ ہو۔'

'ٹائم از اپ'

ان کے بقول ایسا لگتا تھا کہ 'ادریس خٹک کے لیے وقت رُک گیا ہے۔

'بابا ابھی بھی نومبر 2019 میں ہیں۔ وہ سارے سوال اسی وقت کے بارے میں پوچھ رہے تھے، جیسے اس وقت میں کراچی میں تھی تو بابا نے اس بارے میں پوچھا۔ ہماری زندگی چل رہی ہے لیکن ان کے لیے وقت رُک گیا تھا۔'

تالیہ کہتی ہیں کہ ایک سال بعد فقط 20 منٹ کی ملاقات ہوئی، وہ بھی اپنی زبان میں نہیں۔ 'سب شرائط کے تحت تو یہ ایک نارمل ملاقات نہیں تھی۔'

وہ کہتی ہیں جب تین منٹ رہ گئے تھے تو انھوں نے بولا کہ 'تین منٹ رہ گئے ہیں اور جب ٹائم ختم ہو گیا تو کہا گیا ٹائم از اپ۔'

'تھری منٹس لیفٹ' میرے لیے ایسا ہی تھا جیسے مجھے دوبارہ کوئی بتا رہا ہے کہ آپ کے بابا کو ہم لے جا رہے ہیں اور آپ کو نہیں پتا کہ آپ کب دوبارہ ملیں گی۔

'آپ ملیں گی بھی یا نہیں اور آپ کو نہیں پتا ہوگا کہ وہ کیسے ہوں گے۔ اس بار اور بھی زیادہ مشکل تھا کیونکہ مجھے پتا تھا اس کے بعد فیملی کے لیے کیا ہوتا ہے۔'

وہ کہتی ہیں کہ 'میں نے سوچا تھا کہ میں مضبوط رہوں گی ان کے سامنے نہیں روؤں گی انھیں یہ دکھانے کے لیے کہ باہر سب کچھ ٹھیک ہے لیکن میں جب انھیں ملی تو میں نے جیسے ہی انھیں دیکھا تو رونا شروع کر دیا۔ پوری ملاقات میں میں روتی رہی تھی۔ لیکن بابا پوری میٹنگ میں ٹھیک تھے۔ مسکرا رہے تھے شاید اس لیے کہ وہ مجھے یہ بتائیں کہ وہ بھی مضبوط ہیں۔ شاید اس لیے کہ ہمارا بھی حوصلہ بڑھے۔'

وہ کہتی ہیں کہ ملاقات کے آغاز اور اختتام پر ان کے والد نے انھیں گلے لگایا۔

بی بی سی نے تالیہ سے پوچھا کہ کیا اس ملاقات کے بعد ان لوگوں کی جانب سے جنھوں نے خود کو آپ کے والد کا محافظ افسر بتایا ہے کبھی آپ سے دوبارہ رابطہ ہوا؟

اس کے جواب میں تالیہ نے بتایا کہ ان کا رابطہ میرے چچا سے ہوا تھا۔ 'انھیں بتایا گیا تھا کہ وہ سول وکیل سے ملنا چاہتے ہیں۔ ملٹری کورٹ میں مقدمہ چل رہا تھا۔'

بعد ازاں پشاور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سیٹھ وقار نے ملٹری کورٹ کی کارروائیاں روکنے کا حکم دیا تھا۔ 'پھر اس کے بعد رابطہ نہیں ہوا۔'

تالیہ کہتی ہیں کہ 'مجھے ایک بار اس نمبر سے کال آئی لیکن میں وہ کال ریسیو نہیں کر پائی۔ مجھے پہلی کال پر بتایا گیا تھا کہ اس نمبر پر کال وصول نہیں کی جاتی۔'

ان کا کہنا تھا کہ 'براہ راست مجھے کبھی فون پر کوئی دھمکی نہیں دی گئی۔ اگر میرے انکل کو ملتی ہے تو وہ بات نہیں کرتے۔'

'شروع میں کافی زیادہ کہا جاتا تھا مختلف ذرائع سے کہ ہمیں اس کے بارے میں بات نہیں کرنی چاہیے کیونکہ بابا جلد واپس آجائیں گے۔'

کیا پاکستان کی حکومت کی جانب سے آپ سے رابطہ کیا گیا؟ اس سوال کے جواب میں تالیہ کا کہنا تھا 'نہیں۔ کبھی کسی نے رابطہ نہیں کیا۔'

ادریس خٹک کا کیس فی الحال معطل ہے۔ اس پر تالیہ نے بتایا کہ 'ایسے لوگ ہیں جو برسوں سے انتظار کر رہے ہیں کہ وہ اپنے باپ، بیٹے اور اپنے پیاروں سے ملیں گے۔

'میں بہت شکر گزار ہوں کہ کم سے کم مجھے والد سے ملنے کا موقع ملا۔ کم از کم مجھے یہ پتا چل گیا کہ وہ زندہ ہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے انھیں دیکھ لیا ہے۔'

تالیہ نے بتایا کہ 'پہلی بار جب میں نے والد کی رہائی کے لیے ویڈیو اپ لوڈ کی تو مجھے بہت نامناسب قسم کے ریمارکس دیے گئے۔'

'جب ایم آئی نے تسلیم کیا کہ وہ ان کی تحویل میں ہیں کیس بھی شروع ہوا تو ایسے لوگ بھی تھے جنھوں نے کہا کہ انھوں نے کچھ کیا ہوگا اس لیے اٹھایا گیا۔

'مجھے بابا کی رہائی کے لیے آواز اٹھانے کے لیے زیادہ لوگوں کی جانب سے سپورٹ ملی ہے۔ ان میں دوست، فیملی، ایسے لوگ جن کو میں جانتی بھی نہیں ہوں، ایمنسٹی اور ہیومن رائٹس واچ شامل ہیں اور اس سپورٹ کی وجہ سے میں پُرامید ہوں۔ بہت سے لوگ اس بارے میں کچھ کرنا چاہتے ہیں اور یہی مجھے بہت امید دلا رہا ہے۔'

ادریس خٹک کب اور کیسے حراست میں لیے گئے؟

ادریس خٹک کو گزشتہ سال 13 نومبر کو سادہ لباس میں ملبوس افراد نے اسلام آباد پشاور موٹروے پر خیبر پختونخوا کے شہر صوابی انٹرچینج سے اُن کی کار میں سے مبینہ طور پر حراست میں لیا گیا تھا۔ ادریس خٹک کا گھر بھی نوشہرہ کے قریبی علاقے

ادریس خٹک کے بھائی نے پولیس میں رپورٹ درج کروائی اور پشاور ہائی کورٹ میں درخواست جمع کروانے کی کوشش کی تاکہ وہ پولیس کو اس کی تحقیقات پر مجبور کر سکے۔

شیدو سے ہے۔ ان کے ڈرائیور کو حراست میں لینے کے دو دن بعد چھوڑ دیا گیا۔

بعد میں ڈرائیور نے پولیس کو بیان دیا کہ 'نامعلوم افراد ان کے سروں پر کپڑا ڈال کر انھیں الگ گاڑی میں لے گئے تھے۔ دو دن بعد نامعلوم افراد ادریس کے گھر آئے اور ان کا لیپ ٹاپ اور ہارڈ ڈرائیوز لے کر چلے گئے۔'

ادریس خٹک کے بھائی نے پولیس میں رپورٹ درج کروائی اور پشاور ہائی کورٹ میں درخواست جمع کروانے کی کوشش کی تاکہ وہ پولیس کو اس کی تحقیقات پر مجبور کر سکے۔

پشاور ہائیکورٹ نے 15 اکتوبر کو ادریس خٹک کے خلاف فوجی عدالت میں مقدمہ چلانے کا عمل معطل کرنے کا حکم دیا تھا۔

ادریس خٹک کی گمشدگی کے بعد ان کے اہلخانہ اور انسانی حقوق کے کارکنوں نے ایک مہم کا آغاز کیا تھا تاکہ حکام پر بین الاقوامی دباؤ ڈالا جا سکے۔ اس سلسلے میں انھوں نے اقوامِ متحدہ کے ادارہ برائے انسانی حقوق کے دفتر اور برطانیہ کے فارن اور دولت مشترکہ کے دفتر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل بھی ان اداروں میں شامل ہے جو تسلسل کے ساتھ ادریس خٹک کی بازیابی کے لیے آواز اٹھا رہے ہیں۔

ادریس خٹک کون ہیں؟

ادریس خٹک کے وکیل اور پاکستان سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کے صدر عبداللطیف آفریدی کے مطابق ادریس خٹک سابق سوویت یونین اور موجودہ روس سے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ انھوں نے وہاں سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر رکھی تھی جبکہ پاکستان میں وہ روس سے فارغ التحصیل طلبہ کی تنظیم 'ایلومنی ایسوسی ایشن آف رشیا گریجوایٹ اِن پاکستان' کے جنرل سیکرٹری ہیں۔

وہ اکثر اوقات روس کے سفارت خانے میں مختلف تقریبات میں جاتے رہتے تھے۔

ادریس خٹک کے خاندانی ذرائع کے مطابق وہ ترقی پسند سیاسی نظریات رکھتے ہیں۔ عوامی نیشنل پارٹی سے منسلک ہیں۔ وہ روس تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے گئے تھے جہاں وہ دس سال تک مقیم رہے۔ اور تعلیم مکمل کر کے واپس آنے کے بعد وہ کبھی بھی دوبارہ روس نہیں گئے۔

انھیں اکثر اوقات اسلام آباد میں روس کے سفارت خانے سے مختلف تقریبات میں شرکت کے دعوت نامے ملتے رہے اور وہ ان میں شرکت کرتے رہے۔ خاندانی ذرائع کے مطابق ان پر کبھی بھی کوئی مقدمہ درج نہیں ہوا اور 'نہ ہی ان کی کسی سے کوئی دشمنی ہے۔'

ادریس خٹک مختلف ملکی اور بین الاقوامی تنظیموں کے لیے بطورِ کنسلٹنٹ فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ ان میں ہیومن رائٹس واچ اور ایمنسٹی انٹرنیشنل سمیت کئی ملکی تنظیمیں بھی شامل ہیں۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل کے مطابق ادریس خٹک نے صوبہ خیبر پختونخواہ اور حال ہی میں صوبے خیبر پختونخواہ میں ضم ہونے والے قبائلی علاقوں میں ہونے والی مبینہ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے متعدد کیسز پر کام کیا۔ وہ اور بھی کئی بین الاقوامی انسانی حقوق کی تنظیموں کے لیے کام کرتے رہے ہیں۔

پاکستان میں مقیم مُلّا عمر ایرانی کی پاکستانی فورسز کے ہاتھوں ہلاکت

مُلّا عمر ایرانی، ایرانی بلوچستان کے رہنے والے تھے اور شیعہ مخالف مذہبی تنظیم جنداللہ کے سرگرم کارکن تھے، جس کا نام بعد میں جیش العدل رکھا گیا۔ اپنی تنظیمی پالیسیوں کی وجہ سے اُن کا سب سے بڑا ہدف ایرانی حکومت تھی، کیونکہ اس کا تعلق شیعہ فرقے سے ہے۔ جب ایران میں اُن کی شیعہ مخالف اور حکومت مخالف سرگرمیوں میں کافی اضافہ ہوگیا، تو وہ حکومت کو مطلوب ہوگئے۔ اور اُن کا وارنٹ گرفتاری جاری کر دیا گیا، گرفتاری اور سزا کے ڈر سے وہ بیوی بچوں سمیت ایرانی بلوچستان سے بھاگ کر پاکستانی بلوچستان آ گئے۔ پاکستانی بلوچستان میں پہلے پہل وہ تحصیل تمپ کے گاؤں کلاہو میں رہائش پزیر ہوگئے۔

اُس دوران اُنھوں نے پاکستانی بلوچ خاتون سے دوسری شادی کی، اور دوسرا یہ کہ ایرانی حکومت کی جانب سے اُن کی رہائش گاہ پر بم سے حملہ بھی کیا گیا جس سے ان کی ایک قریبی رشتہ دار بچی ماری گئی، مگر وہ خود دونوں بیویوں اور بچوں سمیت محفوظ رہے۔

ایرانی حملے کے کچھ عرصہ بعد وہ کلاہو سے تربت منتقل ہو گئے۔ اور بعض ذرائع کے مطابق پاکستانی ایجنسیوں سے قریبی تعلقات قائم کر لئے جس کی بناء پر وہ کافی طاقتور سمجھے جانے لگے۔ اور اپنی اسی طاقت کے غرور میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اور بعض اوقات اپنے آپ کو پاکستانی آئین وقوانین سے بھی بالاتر سمجھتے تھے۔ جس کی ایک واضح ترین مثال یہ ہے کہ وہ بجلی کے بلّوں کی ادائیگی سے صاف انکار کیا کرتے تھے۔ جس سے کبھی کبھی واپڈا کے ساتھ اُن کی چپقلش ہوا کرتی تھی۔

گزشتہ دنوں سننے میں آیا کہ ایران اور پاکستان کی حکومتوں کے مابین اُن کی ایرانی حکومت کی حوالگی کے بارے میں کوئی سمجھوتہ ہوا ہے۔ اور اچانک گزشتہ روز اُن کے دو بڑے بیٹوں حسن اور حسین کے ساتھ قتل کا واقعہ سامنے آیا۔

اطلاعات کے مطابق وہ 17 نومبر 2020 کو مغرب کے وقت اپنے دونوں بڑے بیٹوں حسن اور حسین کے ساتھ گاڑی پر گھر سے شہر کی جانب جا رہے تھے کہ اُن کی مڈبھیڑ پاکستانی پولیس سے ہوگئی۔ پولیس نے رُکنے کی ہدایت کی لیکن وہ پولیس کی ہدایت کو نظرانداز کر کے آگے بڑھتے رہے، جس پر پولیس نے فائرنگ کی، جس کے نتیجے میں اُن کے دونوں بیٹے حسن اور حسین موقع پر جاں بحق ہو گئے لیکن وہ خود بچ گئے۔ عین اُسی وقت ایف سی فورس بھی پہنچ گئی جس کی فائرنگ سے خود مُلّا عمر ایرانی بھی پہلے تو شدید زخمی ہو گئے اور کچھ دیر بعد وفات پا گئے۔

(غنی پرواز)

پاکستان کے قوانین کی نظر میں بچوں کے حقوق

کم عمری کی شادی سے تحفظ

کم عمری کی شادی

چائلڈ میرج ریسٹرینٹ ایکٹ 1929 کے تحت کم عمری کی شادی جرم تصور کی جاتی ہے۔ یہ قانون برطانوی راج میں متعارف کروایا گیا جس کا مقصد بچوں کی شادی کے عمل کو روکنا تھا۔ اس قانون میں لڑکی کے لئے شادی کی کم از کم عمر 14 سال اور لڑکے کے لئے 18 سال رکھی گئی تھی۔ اس قانون کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں شادی کرنے والے بالغ لڑکے، اس کے والدین اور نکاح خواں کے لئے ایک ہزار روپے جرمانہ یا ایک ماہ قید یا دونوں سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔

1961 کے عائلی قوانین اور کم عمری کی شادی کے قانون میں تبدیلی

1961ء کے عائلی قوانین میں چائلڈ میرج ریسٹرینٹ ایکٹ 1929 میں تبدیلی کی گئی اور شادی کے لئے لڑکی کی کم از کم عمر 16 سال مقرر کی گئی۔ یہ تبدیلی صرف مسلمان شہریوں کے لئے تھی اور دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد پر چائلڈ میرج ریسٹرینٹ ایکٹ 1929 اپنی اصل شکل میں ہی لاگو ہوتا ہے۔

2010 کے بعد کی صورت حال

اٹھارویں ترمیم کی منظوری کے بعد صوبوں کو یہ اختیار ملا کہ وہ کم عمری کی شادی کے حوالے سے قانون سازی کر سکیں۔ اس ضمن میں صرف صوبہ سندھ اور پنجاب نے ہی قانون سازی کی ہے۔

صوبہ سندھ

سندھ واحد صوبہ ہے جس میں کم عمری کی شادی کو روکنے کے لئے ایک مکمل قانون تشکیل دیا گیا ہے جسے سندھ چائلڈ میرج ریسٹرینٹ ایکٹ 2013 کہا جاتا ہے۔ اس قانون کے تحت لڑکے اور لڑکی دونوں کی شادی کے لئے کم از کم عمر 18 سال مقرر کی گئی ہے۔ قانون کی خلاف ورزی کی صورت میں سزاؤں میں بھی سختی لائی گئی ہے۔ بالغ مرد (18 سال سے زائد عمر)، اس کے والدین یا سرپرست اور نکاح خواں کو تین سال تک قید، اور کم از کم دو سال قید تک کی لازمی سزا دی جائے گی۔ یہ جرم قابل گرفت اور ناقابل ضمانت ہے اور عدالت اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کو یہ حق حاصل ہے کہ مجرموں کی نشاندہی اور انہیں گرفتار کر سکیں۔

صوبہ پنجاب

2015 میں پنجاب کی صوبائی اسمبلی نے چائلڈ میرج ریسٹرینٹ ایکٹ 1929 میں ترامیم منظور کیں۔ جس میں قانون کی خلاف ورزی کی صورت میں سزاؤں میں سختی لائی گئی۔ قانون میں کہا گیا ہے کہ کوئی شخص جو 16 سال سے کم عمر لڑکی سے شادی کرے گا، اسے اور نکاح خواں کو 50 ہزار روپے جرمانہ اور چھ ماہ تک کی قید کی سزا دی جائے گی۔ تاہم لڑکی کی شادی کے لئے کم از کم عمر بڑھانے کے حوالے سے کوئی قانون سازی نہیں کی گئی۔

خیبر پختونخواہ، بلوچستان اور اسلام آباد میں کم عمری کی شادی کو روکنے کے لئے ابھی تک کوئی قانون سازی یا ترمیم منظور نہیں کی گئی۔ ان علاقوں میں ابھی تک چائلڈ میرج ریسٹرینٹ ایکٹ 1929 اور مسلمان شہریوں کے لئے وہ ترامیم جو عائلی قوانین کے ذریعے 1961 میں منظور کی گئیں۔

> **1961ء کے عائلی قوانین میں چائلڈ میرج ریسٹرینٹ ایکٹ 1929 میں تبدیلی کی گئی اور شادی کے لئے لڑکی کی کم از کم عمر 16 سال مقرر کی گئی۔ یہ تبدیلی صرف مسلمان شہریوں کے لئے تھی اور دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد پر چائلڈ میرج ریسٹرینٹ ایکٹ 1929 اپنی اصل شکل میں ہی لاگو ہوتا ہے۔**

2018 میں وفاقی دارالحکومت میں اس قانون میں تبدیلی اور لڑکی کی کم از کم عمر 18 سال مقرر کرنے کے حوالے سے سینٹ نے سینیٹر شیری رحمان کا پیش کردہ بل منظور کیا۔ مگر یہ بل قومی اسمبلی سے منظور نہ ہو سکا۔

بچے، جبری مشقت اور متعلقہ قوانین

بچوں کے تحفظ کے حوالے سے آئینی اور قانونی حوالے

☆ آئین کے آرٹیکل 11(3) کے مطابق "چودہ سال سے کم عمر کے کسی بچے کو کسی کارخانے، کان یا دیگر پرخطر ملازمت میں نہیں رکھا جائے گا"

☆ آئین کے آرٹیکل 25(A) کے مطابق "ریاست ہر شہری جو کہ 5 سے 16 سال کا ہو، کو قانون کے دیے گئے طریقہ کار کے مطابق مفت لازمی تعلیم فراہم کرے گی"

☆ آئین کے آرٹیکل 37(E) کے مطابق ریاست "منصفانہ اور نرم شرائط کار پر اس امر کی ضمانت دیتے ہوئے کہ بچوں اور عورتوں سے ایسے پیشوں میں کام نہیں لیا جائے گا جو ان کی عمر، جنس کے لیے نامناسب ہوں، مقرر کرنے کے لیے اور ملازم عورتوں کے لیے زچگی سے متعلق مراعات دینے کے لیے احکام وضع کرے گی"

☆ پاکستان پینل کوڈ کے سیکشن 82 کے مطابق 7 سال سے کم عمر بچے کا کوئی بھی فعل جرم تصور نہیں کیا جائے گا۔

☆ پاکستان پینل کوڈ کے سیکشن 83 کے مطابق 7 سال سے زائد اور 12 سال سے کم عمر بچے کا کوئی بھی فعل جرم تصور نہیں کیا جائے گا، جس کے پاس ابھی تک یہ سوجھ بوجھ نہ ہو کہ اس موقع پر اس فعل کے ارتکاب کی نوعیت اور نتیجہ کیا ہوگا۔

☆ پاکستان پینل کوڈ کے سیکشن 382 کے مطابق والدین یا دیکھ بھال پر معمول شخص کی طرف سے 12 سال سے کم عمر کو چھوڑ دینا یا اظہار لاتعلقی جرم تصور ہوگا۔

☆ پاکستان پینل کوڈ کا سیکشن 89 اور پاکستان میں جسمانی سزا کی روک تھام کا ایکٹ 2013 جسمانی سزا (Carporal Punishment) کی سختی سے ممانعت کرتا ہے۔

☆ خیبر پختونخواہ میں موجود چائلڈ پروٹیکشن ویلفیئر ایکٹ (2010) کے سیکشن 33 کے مطابق بھی کسی بھی شکل اور طریقے سے دی جانے والی جسمانی سزا کو ختم کر دیا گیا ہے۔

جوائنائل جسٹس سسٹم آرڈیننس (Juvenile Justice System Ordinance)

ملزم/مجرم بچوں کی صورت میں جوائنائل جسٹس سسٹم آرڈیننس (Juvenile Justice System Ordinance) بنیادی ہدایت نامے کا کردار ادا کرتا ہے۔ اسی کے تحت بچوں کی عمر کا تعین، ضمانت کا حصول، شنوائی اور سزاؤں کا طریقہ کار متعین کیا جانا چاہیے۔

انسانی حقوق کی وفاقی وزارت کی طرف سے تشدد (بشمول بچوں کے خلاف تشدد) کے واقعات کو رپورٹ کرنے کے لیے ایک ہیلپ لائن کا اجرا کیا گیا ہے۔ یہ نمبرز 1099 یا 1121 ہیں۔

انسانی حقوق کے فروغ و تحفظ کے لیے ایڈووکیسی

الف: ایڈووکیسی کا تصور

ایڈووکیسی سے مراد شہریوں کی ایسی منظّم کوششیں ہیں جن کے ذریعے وہ سرکاری پالیسیوں و منصوبوں کی تشکیل اور نفاذ پر اثرانداز ہونے کے لیے ریاستی حکام، عالمی مالیاتی اداروں، اور دیگر طاقتور عناصر کو قائل کرنے اور اُن پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایڈووکیسی کئی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتی ہے جن کا مقصد سماج کے کسی ایک گروپ یا مجموعی طور پر پورے سماج کے لیے اہمیت کے حامل معاملات پر فیصلہ سازوں تک رسائی حاصل کرنا اور اُن پر اثرانداز ہونا ہے۔

ب: انسانی حقوق کی ایڈووکیسی کے بنیادی اجزاء

☆ لوگوں کو اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھانے کے قابل بنانا اور اُنہیں بااختیار کرنا۔
☆ کسی پالیسی کی حمایت کرنا اور عالمی، قومی و عالمی سطح پر اُس کی حمایت کے حصول کی کوشش۔
☆ کسی سیاسی فیصلے پر اثرانداز ہونے کی کوشش
☆ شہریوں کی ایسی منظّم کوششیں جن کے ذریعے وہ سرکاری پالیسیوں و منصوبوں کی تشکیل اور نفاذ پر اثرانداز ہونے کے لیے ریاستی حکام، عالمی مالیاتی اداروں، اور دیگر طاقتور عناصر کو قائل کرنے اور ان پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔
☆ حکومت کے ساتھ تعمیری میل جول کی صلاحیت۔
☆ دیگر گروپوں کے ساتھ اتحاد بنانے کی آمادگی اور صلاحیت۔
☆ عدلیہ، مقنّنہ اور انتظامیہ کے کام کے طریقہ کار کا علم
☆ سیاسی تناظر کی گہری بصیرت۔
☆ تحقیق و معلومات تک رسائی، اور ان معلومات کو اچھی پالیسی سازی کے لیے بروئے کار لانے کی استعداد۔
☆ جدوجہد میں مشغول افراد اور اداروں کے واضح و متفقہ کردار اور ذمہ داریاں۔
☆ ایڈووکیسی کی کامیابی کے لیے انسانی و مالی وسائل۔

ج: ایڈووکیسی اور خدمتِ خلق (Philanthropy) میں فرق

ایڈووکیسی	خدمتِ خلق
ہم سکول، مدرسہ اور جائے ملازمت پر بچوں کے ساتھ بدسلوکی کے خلاف جدوجہد میں شہریوں کو شریک کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ ایڈووکیسی ہے۔	ہم ایک ایسے گروپ کا حصہ ہیں جو بے گھر لوگوں کے لیے گھر تعمیر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ خدمتِ خلق ہے۔
ہمیں معلوم ہوا ہے کہ حکومت گاؤں میں صحت کا مرکز بند کرنے کی منصوبہ بندی کر رہی ہے۔ ہم لوگوں کو اِس اقدام کے خلاف آواز اٹھانے کے لیے اکٹھا کر رہے ہیں۔ یہ ایڈووکیسی ہے۔	ہم ناخواندہ مریضوں اور ان کے اہل خانہ کی رہنمائی کے لیے ہر ہفتے میں ایک دن ہسپتال میں گزارتے ہیں۔ یہ خدمتِ خلق ہے۔

د: ایڈووکیسی کی اقسام

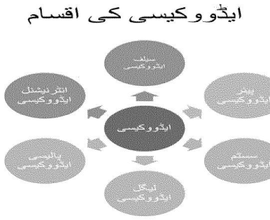

ہ: شہریوں کی سہولت کے لیے ایڈووکیسی بطورِ آلہ

حکومت اور دیگر طاقتور اداروں کی فیصلہ سازی میں شہریوں کی شمولیت کے لیے ایڈووکیسی ایک آلے کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ انتخابات، کُھلے فورموں، خصوصی کمیشنوں اور دیگر ذرائع کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک ذریعہ ہے جسے بروئے کار لا کر سول سوسائٹی کے مختلف حلقے اپنے مقاصد کو فروغ دیتے اور سرکاری پالیسیوں پر اثرانداز ہوتے ہیں اور اپنی زندگیوں کے لیے اہم معاملات کے متعلق فیصلہ سازی میں جمہوری و منظّم انداز میں شریک ہوتے ہیں۔

داخلی جمہوریت، انسانی و مالی وسائل، شعور، جدوجہد پر آمادگی، اچھی ساکھ، مختلف شعبوں، سماجی و معاشی طبقوں، نسلوں/لسانی شناختوں کے لوگوں کو اکٹھا کرنے کی صلاحیت، بڑی تعداد میں لوگوں کو متحرک کرنے کی صلاحیت، اچھی قیادت، قومی و عالمی عناصر کے ساتھ تعلقات، اور لوگوں کی حمایت اور شہریوں کی شراکت ایڈووکیسی کی بنیادی شرائط ہیں۔

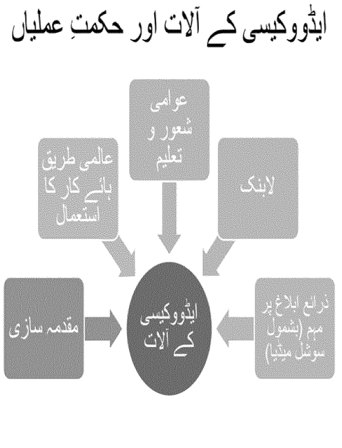

و: طاقت کے استعمال کے طور پر ایڈووکیسی

اگر شہری طبقہ ریاستی اداروں کے فیصلوں پر اثرانداز ہونے کے قابل ہے تو اِس حد تک وہ بطورِ سول سوسائٹی اپنی طاقت کا استعمال کر رہا ہوتا ہے۔ ایڈووکیسی کو ہم حکومتی طاقت کے ردِعمل میں شہریوں کی طاقت کے استعمال کے طور پر لے سکتے ہیں۔ مؤثر ایڈووکیسی کے لیے ضروری ہے کہ طاقت کے مختلف ذرائع بروئے کار لانے کے لیے مختلف حکمتِ عملیاں اپنائی جائیں۔ اِس سے شہریوں کے مسائل پر حکومت کی توجہ ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ ان میں سے کچھ حکمتِ عملیاں سماجی طاقت کے حصول اور استحکام میں اہم کردار ادا کرتی ہیں، جبکہ دیگر فنی صلاحیتوں کے استحکام میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

ایڈووکیسی کے لیے تجزیہ کرنے کی صلاحیت، متبادل تجاویز اپنانے کی صلاحیت، مذاکرات کی صلاحیت، تحقیق کی صلاحیت، ایڈووکیسی کے طریقہ کار کا علم اور معلومات کا انتظام و انصرام درکار ہوتا ہے۔

ز: ایڈووکیسی بطورِ اجتماعی عمل

ایڈووکیسی ایک سے زائد حکمتِ عملی یا سرگرمی پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس کے لیے وقت کے ساتھ ساتھ، تخلیقی مہارت اور استقلال کے ساتھ، مختلف تدابیر اور سرگرمیوں سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔ ایڈووکیسی کی کامیابیوں سے قبل اکثر کئی ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ضروری یہ ہے کہ ہتھیار نہ ڈالے جائیں، بلکہ غلطیوں سے سیکھا جائے اور ادارے کی سماجی طاقت اور فنی استعداد بڑھا کر اسے مستحکم کرنے کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔

ایڈووکیسی کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے ایک ساتھ کئی اقدامات کرنے پڑتے ہیں۔مخصوص معاملات پر معمولی کامیابیوں جو ہوسکتا ہے بڑے نتائج کی حامل نظر نہ آئیں، کے ذریعے ہی ایک ادارہ یا اداروں کا اتحاد آہستہ آہستہ سماجی طاقت اور ٹیکنیکل تربیت سے لیس ہوتا ہے جو زیادہ پیچیدہ معاملات پر ایڈووکیسی کے لیے ضروری ہوتی ہے۔

2۔ ایڈووکیسی کرنے کی ضرورت کیا ہے؟

ایڈووکیسی کرنے کی کئی وجوہ ہیں۔سول سوسائٹی کے نقطہ نظر سے زیادہ اہم وجوہ درج ذیل ہیں: سرکاری پالیسیوں و منصوبوں میں ٹھوس تبدیلیوں کے ذریعے بعض مخصوص نوعیت کے مسائل کا حل؛ سول سوسائٹی کو مستحکم و با اختیار کرنا؛ اور مستحکم جمہوریت کا فروغ۔

الف۔ خاص مسائل کے حل کے لیے

سول سوسائٹی کی اکثریتی تنظیمیں جو انصاف، جمہوریت اور پائیدار ترقی کی خواہاں ہیں، اپنے گردونواح میں پائے جانے والے سماجی، معاشی، سیاسی، اور ثقافتی حقائق کے ایک یا ایک سے زائد پہلوؤں کو تبدیل کرنے کی خواہشمند ہوتی ہیں۔ ایڈووکیسی اس پیچیدہ ماحول کے اندر خاص مسائل کے حل پر توجہ مرکوز کرتی ہے۔ایڈووکیسی کرنے والے شہری ان مسائل کے ٹھوس حل کے لیے منصوبے بناتے ہیں اور مختلف حکمتِ عملیاں اپناتے اور سرگرمیاں کرتے ہیں، اور وہ یہ کام زیادہ تر سرکاری پالیسیوں اور منصوبوں میں مخصوص تبدیلیاں لا کر کرتے ہیں۔

ضروری ہے کہ شروع دن سے ہی اُن لوگوں کو شامل کریں جو اس مسئلے سے زیادہ متاثر ہو رہے ہوتے ہیں جسے آپ حل کرنا چاہتے ہیں۔اس سے ایڈووکیسی کرنے والی تنظیم یا اتحاد کی تجاویز کا متاثرہ آبادی کی ترجیحات پر مشتمل ہونا یقینی ہو جاتا ہے اور یہ امر بھی یقینی ہو جاتا ہے کہ تنظیم ان لوگوں کی زندگیوں میں حقیقی تبدیلی کے لیے تگ و دو کرے۔

ب۔ سول سوسائٹی کو مستحکم و با اختیار کرنا

ایڈووکیسی جب سماجی تنظیم سازی، اتحاد سازی، قیادت سازی، اور قومی و عالمی سطح پر نیٹ ورکنگ کے فروغ کے لیے کام کرتی ہے تو اس کے نتیجے میں سول سوسائٹی کے استحکام و اختیارات میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایڈووکیسی کے اقدامات کی منصوبہ بندی و اطلاق نہ صرف فوری مسائل کو حل کرنے میں مدد دیتا ہے بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ، ایڈووکیسی میں ملوث تنظیموں یا اتحادوں کے استحکام کا سبب بھی بنتا ہے۔

نتیجتاً، انہیں مستقبل کی جدوجہد کی تیاری میں مدد ملتی ہے جو سرکاری پالیسیوں پر اور زیادہ بڑے اثرات مرتب کر سکتی ہے۔

ج۔ مستحکم جمہوریت کا فروغ

ایڈووکیسی سول سوسائٹی اور ریاست کے مابین مستقل تعلق کا اشارہ دیتی ہے۔یہ حقیقی جمہوریت کا اہم پیمانہ ہے۔ ایڈووکیسی سرکاری پالیسیوں و منصوبوں سے متعلق فیصلہ سازی میں شہری شمولیت کے استحکام اور شفاف سیاسی ثقافت کے فروغ کا ایک اہم ذریعہ ہے۔سول سوسائٹی اپنی ایڈووکیسی کوششوں میں جیسے جیسے زیادہ کامیاب ہوتی جاتی ہے، ریاستی اداروں اور شہریوں کے مابین تعلقات تبدیل ہوتے جاتے اور مزید جمہوری بنتے جاتے ہیں۔

3۔ ایڈووکیسی کے اقدامات کی کامیابی کا سبب بننے والے عوامل

ایڈووکیسی کی کوششوں کی کامیابی کا انحصار متعدد بیرونی و اندرونی عوامل پر ہوتا ہے۔

(الف) بیرونی عوامل

ہر ملک میں حقائق مختلف ہوتے ہیں۔لہٰذا، ایڈووکیسی کے ذریعے سول سوسائٹی کی ترویج اور شہری شمولیت کے مواقع و مشکلات کا تجزیہ مخصوص تناظر کے اندر رہتے ہوئے کرنا چاہیے۔اس کے باوجود، کسی ملک کے سیاسی ماحول میں ان بیرونی عوامل کے متعلق عام اندازے لگانا ممکن ہے جو ایڈووکیسی کے ذریعے سرکاری پالیسیوں کو تبدیل کرنے کی شہریوں کی صلاحیت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ان میں درج ذیل شامل ہیں:

ضروری ہے کہ شروع دن سے ہی ان لوگوں کو شامل کریں جو اس مسئلے سے زیادہ متاثر ہو رہے ہوتے ہیں جسے آپ حل کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے ایڈووکیسی کرنے والی تنظیم یا اتحاد کی تجاویز کا متاثرہ آبادی کی ترجیحات پر مشتمل ہونا یقینی ہو جاتا ہے اور یہ امر بھی یقینی ہو جاتا ہے کہ تنظیم ان لوگوں کی زندگیوں میں حقیقی تبدیلی کے لیے تگ و دو کرے۔

جمہوریت کے لیے سازگار فضا: ایڈووکیسی زیادہ کامیاب ہوگی اگر حکومتیں جمہوریت کے فروغ و استحکام کے لیے پرعزم ہوں۔ خاص طور پر، ایڈووکیسی کا تقاضا ہے کہ حکومت زندگی کے حق، انجمن سازی کی آزادی، اور آزادیِ اظہار سمیت بنیادی انسانی حقوق کا احترام کرے۔ جب تک اِن حقوق کا احترام نہیں کیا جاتا، شہریوں کی شمولیت کے لیے بہت کم سیاسی فضا دستیاب ہوگی۔

سماجی، معاشی، اور ثقافتی عدل: سرایت پذیر غربت اور سماجی، معاشی و ثقافتی اخراج سے پسماندہ طبقوں کے لوگوں کی منظم ہونے کی استعداد شدید متاثر ہوتی ہے اور وہ سرکاری پالیسیوں پر اثر انداز ہونے والے اقدامات کی منصوبہ بندی اور ان کا نفاذ کرنے کے قابل بھی نہیں رہتے۔ غربت اور اخراج مرّوجہ رویوں کو مستحکم کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ ریاستی اداروں کی سطح پر ("غریب منظّم ہوتے ہیں تو خطرہ ہوتے ہیں")، اور روایتی طور پر پسماندہ طبقوں کی سطح پر بھی ("ریاست دشمن ہے")۔ یہ رویے ریاست اور شہریوں کے درمیان ایسے تعلقات کی راہ میں رکاوٹوں کا کام کرتے ہیں جو ایڈووکیسی کی کامیابی کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔

لامرکزیت:

ایڈووکیسی کرتے وقت فیصلہ سازی کا اختیار رکھنے والے لوگوں اور دیگر اہم عناصر تک رسائی ضروری ہوتی ہے۔ اگر ریاست زیادہ مرکزیت کا شکار ہو تو شہریوں کی ریاستی اداروں تک رسائی محدود ہوتی ہے اور یوں ان کے مسائل کا حل مشکل ہو جاتا ہے۔

ذرائع ابلاغ تک عام رسائی:

رائے عامہ پر اثر انداز ہونے اور رائے عامہ بنانے کی صلاحیت ایڈووکیسی کی کامیابی کے لیے بنیادی شرائط ہیں۔ ذرائع ابلاغ تک رسائی خاص طور پر اہم ہے۔ اگر مرکزی ذرائع ابلاغ کا کنٹرول چند ہاتھوں میں ہے تو پھر سماج کے بعض طبقوں تک رسائی محدود ہو جاتی ہے۔ اس سے، ان کی سرکاری ایجنڈے پر معاملات رکھنے اور سرکاری پالیسیوں کے متعلق فیصلہ سازی کو متاثر کرنے کی استعداد متاثر ہو جاتی ہے۔

شفافیت:

ریاستی کاروائیوں پر اثر انداز ہونے کے لیے شہریوں کی سرکاری معلومات تک رسائی ضروری ہے۔ اس رسائی کے بغیر، سرکاری پالیسیوں پر اثر انداز ہونے کے خواہاں گروپ اور اتحاد ان معلومات سے محروم رہتے ہیں جس کے ذریعے انہیں مسائل کا تجزیہ کرنا اور مناسب حل تجویز کرنے ہوتے ہیں۔ جوابدہی کی ثقافت ضروری ہے۔ اس ضمن میں سرکاری عہدیداروں شہریوں کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔

ب۔ اندرونی عوامل:

سول سوسائٹی کی تنظیمیں، خاص طور پر وہ جو روایتی طور پر پسے ہوئے طبقوں سے تعلق رکھتی ہیں، اندرونی طور پر خود کو مستحکم کرنے اور ریاست کے مقابلے میں طاقت کے حصول میں بھی مشکلات سے دوچار ہوتی ہیں: درج ذیل عوامل کارفرما ہوتے ہیں:

اندرونی جمہوریت:

تنظیموں کے اندر جمہوریت خودمختاری کا کام کرتی ہے۔ اندرونی جمہوریت شمولیت کی سطح کو وسیع کرتی ہے، خاص طور پر سماج کے ان گروپوں کے اندر جو روایتی لحاظ سے پسے ہوئے ہوتے ہیں اور نتیجے کے طور پر، ایسے ایڈووکیسی اقدامات کی منصوبہ بندی ممکن ہو جاتی ہے جن کی کامیابی کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔

حکومت کے ساتھ مل جل کر کام کرنے پر آمادگی:

اگر چہ ایڈووکیسی کے دوران، ایک سیاسی پس منظر کے اندر رہتے ہوئے مختلف مفادات کارفرما ہوتے ہیں، جس کے نتیجے میں بعض اوقات کشیدگی اور اختلافات کی صورتحال بھی پیدا ہوسکتی ہے مگر ایڈووکیسی کا ہمیشہ یہی تقاضا ہے کہ سول سوسائٹی ممکنہ حد تک انتہائی تعمیری انداز اور کشیدگی سے گریز والا طریقہ کار اپنا کر حکومت کے ساتھ مل جل کر کام کرنے کی پالیسی اختیار کرے۔ حکومت کے ساتھ باہمی میل جول ایک ایسا طریقہ کار ہے جس کے ذریعے کوئی ادارہ یا اداروں کا اتحاد ایڈووکیسی کے مقاصد حاصل کرسکتا ہے۔

اتحاد بنانے اور انہیں مستحکم کرنے پر آمادگی:

ایڈووکیسی کا اس وقت بہت زیادہ اثر پڑے گا جب سول سوسائٹی کے مختلف حلقے یا گروپ ایک ساتھ مل کر کام کریں گے۔ اس طرح، اتحاد مستحکم ہوتے ہیں اور مخالفت کمزور پڑ جاتی ہے۔

ایڈووکیسی کی کاوشیں تبدیلی کی طویل المدت حکمت عملی پر مبنی ہونی چاہئیں:

اگر ایڈووکیسی تھوڑے اور درمیانی مدت میں ٹھوس نتائج حاصل کرنے کے لیے بھی کی جائے تو پھر بھی اس کو اس طرح اختیار کیا جائے کہ جس سے طویل المدتی سماجی، معاشی، اور سیاسی تبدیلی کے اہداف حاصل ہوسکیں۔ دوسرے الفاظ میں، تھوڑی اور درمیانی مدت کے نتائج کو طویل المدتی اہداف کے ساتھ منسلک کیا جائے اور وہ نتائج تبدیلی کے فروغ کی کوششوں کے لیے مددگار ہونے چاہییں۔

گروپ یا اتحاد کا مشن واضح ہونا چاہیے:

ایڈووکیسی کے اقدامات کسی گروپ یا اتحاد کے واضح شدہ مشن سے جنم لینے چاہییں۔ کسی گروپ یا اتحاد کے واضح شدہ مشن کو ایڈووکیسی کے کام کی بنیاد بنانا چاہیے تاکہ ایڈووکیسی توجہ کے انتشار یا کوئی معمولی سی سرگرمی نہ بن جائے بلکہ یہ مجموعی پروگرام کے ساتھ جڑ جائے۔ مشن کے بیان میں گروپ یا اتحاد کی شناخت کا ذکر ہونا چاہیے جس میں بتایا گیا ہو کہ یہ کیا کرتا ہے، کن مسائل کو حل کرنا چاہتا ہے، اس کا فلسفہ تبدیلی کیا ہے اور متوقع نتائج کیا ہیں جو یہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔

ریاستی اداروں کے کام کے بنیادی طریقہ کار کا علم:

جب کوئی گروپ یا اتحاد سرکاری پالیسی پر اثر انداز ہونا چاہتا ہے تو یہ انتہائی ضروری ہے کہ اسے عدالتی نظام کے متعلق علم ہو، قومی و عالمی قوانین جو اس کے متعلقہ مسئلے جن کا وہ حل چاہتا ہے سے متعلق ہوں ان کا ادراک ہو، ریاست کے اندر فیصلہ سازی کی مختلف طرح کے مقامات اور متعلقہ مسئلے پر اثرانداز ہونے والی سرکاری پالیسیوں کا علم ہونا ضروری ہے۔

سیاسی تناظر کا مکمل علم:

ایڈووکیسی کی کامیابی کا انحصار سیاسی تناظر کے مختلف پہلوؤں پر گروپ کے عبور پر ہے جس کے اندر رہتے ہوئے ایڈووکیسی کی جاتی ہے۔ گروپ کی تجزیے کرنے اور ایسے متبادل حل تجویز کرنے کی صلاحیت جو سیاسی اور فنی لحاظ سے قابل عمل ہیں، کا انحصار صورتحال پر اس کی گہری نظر پر ہے۔

معلومات کا بندوبست اور تحقیق کی استعداد:

معلومات طاقت ہے! شہریوں کے حقوق کی ایڈووکیسی کرنے والوں کو مسائل کے تجزیے، متبادل پالیسیاں وضع کرنے، فیصلہ سازی کے مقامات کو سمجھنے بوجھنے، بنیادی عناصر کی نشاندہی، اور اچھی حکمت عملیاں اپنانے اور پالیسی سے متعلق تجاویز کی حمایت میں دلائل دینے کے لیے درست معلومات کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تحقیق کرنے یا ان تحقیقی اداروں کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کی ضرورت ہے جن کا عملہ ایسی مہارتوں سے لیس ہو جو ایڈووکیسی کی کاوشوں کو اور زیادہ کامیاب بنانے کے لیے ضروری ہیں۔

تعلیمی مواقع:

کسی گروپ یا اتحاد کو متعلقہ معاملات کے متعلق زیادہ باعلم کرنے کے لیے اور اس کی تحقیق و تجزیے کی استعداد بڑھانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے رہنماؤں کو مستقل بنیادوں پر تعلیمی مواقع فراہم کیے جائیں۔

ایڈووکیسی کے کام پر مامور افراد یا تنظیموں کے درمیان واضح اتفاق:

ایڈووکیسی کے کام میں ملوث لوگوں یا تنظیموں میں کام کرنے کے طریقہ کار کے بارے میں مکمل اتفاق کا ہونا ضروری ہے۔ اس سے متعلقہ مفادات اور توقعات کو واضح کرنے میں مدد ملے گی۔ تنظیموں کے اندر کشیدگی یا غلط فہمیوں کا پیدا ہونا عام بات ہے مگر داخلی فیصلہ سازی پر اور اس چیز پر کہ کون سا گروپ یا اتحاد پریس سے بات چیت کرسکتا ہے اتفاق ہو جائے تو اس سے مسائل کو کم کیا جا سکتا ہے۔ ان معاملات پر شفاف طریقے سے کام کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ اتفاق رائے سے مشترکہ کوشش کے اثرات اور کامیابی کو بڑھایا جاسکتا ہے۔

ایڈووکیسی کے لیے انسانی و مالی وسائل کی دستیابی:

ایڈووکیسی کے لیے وسائل درکار ہیں۔ ایڈووکیسی کے کام کے لیے مناسب مالی سرمایہ مختص کرنے کے علاوہ، اداروں کو اپنے متعلقہ عملے کی تربیت اور استعداد سازی کی کوشش بھی کرنی ہوگی۔

4۔ ایڈووکیسی کے لیے شمولیتی منصوبہ بندی مرحلہ وار طریقے سے کی جائے

ایڈووکیسی کی منصوبہ بندی سے قبل، آپ کو درج ذیل امور کو مدنظر رکھنا چاہیے کیونکہ یہ کسی مخصوص ایڈووکیسی مہم سے تعلق رکھتے ہیں؛

- ☆ ایڈووکیسی پر سرگرم عمل گروپ کا راستہ اور مشن
- ☆ حل طلب مسئلے کی نوعیت
- ☆ حکومت کے اندر فیصلہ سازی کے طریق ہائے کار
- ☆ فیصلہ سازی کے اختیار سے لیس مخصوص افراد، اور دیگر بااثر عناصر
- ☆ سیاسی تناظر یا ماحول
- ☆ ادارے کی مہم چلانے کی استعداد
- ☆ مہم کے پیچھے سماجی طاقت

طریقہ کار ذیل میں بیان کیے گئے چار سوالات اور آٹھ مراحل کے گرد گھومتا ہے۔

الف۔ ایڈووکیسی کے لیے شمولیتی منصوبہ بندی کے طریقہ کار کی منطق

شمولیتی منصوبہ بندی کا طریقہ چار "منطقی سوالات" کا جواب دیتا ہے:

- ☆ ہم چاہتے کیا ہیں؟
- ☆ فیصلہ سازی کا اختیار کس کے پاس ہے؟
- ☆ متعلقہ فیصلہ ساز کو قائل کرنے کے لیے ہمیں کیا کچھ کرنے کی ضرورت ہے؟
- ☆ ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ ہماری حکمت عملی کام کر رہی ہے کہ نہیں؟

ان سوالات کے جوابات سے ایڈووکیسی مہم میں شامل تمام لوگوں کو یہ سمجھنے میں مدد ملے گی کہ دیگر کے مقابلے میں بعض مخصوص حکمت عملیاں کیوں اختیار کی جا رہی ہیں۔ یہ چار بنیادی سوالات مزید تفصیلی سوالات کے مجموعے کے لیے بنیاد فراہم کرتے ہیں جو کہ نتیجے میں، شمولیتی منصوبہ بندی کے طریقہ کار کے آٹھ مراحل کے

لیے بنیاد کا کام کرتے ہیں۔

ب۔ ایڈووکیسی کے لیے شمولیتی منصوبہ بندی کے طریقہ کار کے مراحل

طریقہ کار کے آٹھ مراحل کو ذیل میں مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

Steps of the Participatory Planning for Advocacy

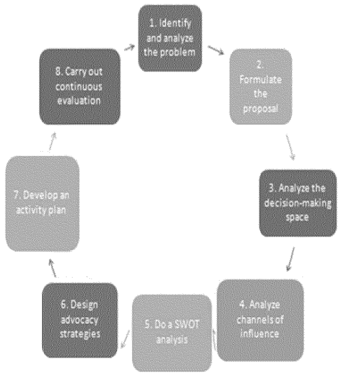

مرحلہ 1: مسئلے کی نشاندہی اور تجزیہ

مسئلہ ہے کیا جسے ہم حل کرنا چاہتے ہیں؟

گروپ اپنے کام کا آغاز ایڈووکیسی کے کام پر مامور تنظیم یا اتحاد کے تحریری مشن کے جائزے سے لیتا ہے، اور یوں اس کے ذریعے کسی خاص مسئلے کو ترجیح دیتا ہے جسے وہ حل کرنا چاہتا ہے۔ تب اس مسئلے کو اس کے اسباب اور نتائج کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے۔ اسباب کو ترجیح دیتے وقت، ان کی اہمیت کو مدنظر رکھا جاتا ہے اور یہ دیکھا جاتا ہے کہ ان کے حل کی کوشش کس حد تک قابل عمل ہے، اور یوں کسی ایک سبب کو ترجیح دینے کا فیصلہ ہوتا ہے۔

مرحلہ 2: تجویز وضع کرنا

ہم حاصل کیا کرنا چاہتے ہیں؟

دوسرے مرحلے پر، گروپ یا اتحاد مرحلے 1 میں قابلِ ترجیح قرار پانے والے مسئلے کے ممکنہ حل کے بارے میں غوروخوض کرتا ہے۔ یہ طے کرتا ہے کہ ایڈووکیسی کے ذریعے اسے کیا حاصل کرنا ہے، فیصلہ سازوں کو پیش کیے گئے مطالبات کے حوالے سے اور قدرے فوری نتائج کے حوالے سے بھی۔ تجویز میں واضح طور پر لکھا ہونا چاہیے کہ کیا مقصد حاصل کرنا ہے، تجویز کسے پیش کرنی ہے، اور کتنی مدت کے اندر مقصد حاصل کرنا ہے۔ گروپ کو چاہیے کہ وہ تجویز کے سیاسی وفنی پہلوؤں پر نظر دوڑائے اور مسئلے کے حل کے لیے موزوں طریقہ کار کے بارے میں بھی سوچے۔ گروپ کو سیاسی، ثقافتی، اور ادارہ جاتی تبدیلیوں کے تناظر میں، تجویز کے ممکنہ اثرات کا جائزہ بھی لینا ہوگا۔

مرحلہ 3: فیصلہ سازی کے مقام کا جائزہ لیں

تجویز کے ردِعمل میں کیسے اور کب فیصلہ لیا جائے گا، اور کون لے گا؟

تیسرا مرحلہ مخصوص "مقام" کے تفصیلی جائزے پر مشتمل ہے۔ فیصلہ سازی کا مقام عام طور پر حکومت کے اندر ایسا یونٹ ہے جو کہ تجویز کے متعلق فیصلہ لے گا۔ شرکاء کو ان تمام عوامل کو سمجھنا ہوگا جو فیصلہ سازی کے عمل پر اثر انداز ہو سکتے ہیں، طاقت کے رسمی ڈھانچے کے اندر بھی اور باہر بھی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قانونی ڈھانچے، فیصلہ سازی کے موجودہ طریق ہائے کار، مدت، بجٹ، فیصلوں کے پیچھے "حقیقی" طاقتوں کی نشاندہی کے متعلق سوچ بچار کرنے کی ضرورت ہے۔

مرحلہ 4: اثرورسوخ کے ذرائع کا جائزہ

کون سے عناصر فیصلہ سازی کے عمل پر اثر انداز ہو سکتے ہیں؟

اس مرحلے پر گروپ ایسے اہم عناصر کی نشاندہی کرتا ہے جو تجویز کے بارے میں فیصلہ سازی پر مثبت یا منفی اثر ڈالنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایسے افراد کا ان کے مفادات اور اثرورسوخ کی سطحوں کے حوالے سے تجزیہ کیا جاتا ہے تاکہ جب حکمت عملیاں طے کرنے کا وقت آئے تو یہ واضح علم ہو کہ کون حمایتی (اتحادی) ہوگا، کسے قائل کیا جا سکتا ہے (جو غیر فیصلہ کن حالت میں ہے)، اور کسے غیر جانبدار (مخالفین) رکھنے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ مرحلہ 3 میں فیصلہ سازی کے مقام کے تجزیے کے ساتھ ساتھ، اثرورسوخ والے ذرائع کے تجزیے سے زیادہ بہتر پتہ چل سکتا ہے کہ سیاسی ماحول ایڈووکیسی کے اقدام پر کس طرح اثر انداز ہوگا۔

مرحلہ 5: خوبیوں، کمزوریوں، مواقع، خطرات (SWOT) کا تجزیہ

ایڈووکیسی کے کام پر مامور گروپ کی خوبیاں اور کمزوریاں کیا ہیں؟

سیاسی ماحول جس میں مہم چلائی گئی ہے، میں مواقع اور خطرات کی صورتحال کیا ہے؟

پانچویں مرحلے پر گروپ ایڈووکیسی پر اثر انداز ہونے والی خوبیوں، کمزوریوں، مواقع اور خطرات (SWOT) کا جائزہ لیتا ہے۔ یہ متعلقہ اقدام کے حوالے سے اپنی خوبیوں اور کمزوریوں پر تنقیدی نظر ڈالتا ہے اور اپنی کمزوریوں پر قابو پانے اور کامیابی کے امکانات بڑھانے کے لیے درکار کاروائیوں کے متعلق فیصلہ لیتا ہے۔ بیک وقت، ایسے بیرونی عوامل کا بھی جائزہ لیتا ہے جو اقدام کے لیے مددگار یا نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

مرحلہ 6: ایڈووکیسی کی حکمت عملیاں وضع کرنے کا عمل

ہم تجویز کو منظور کروانے کے لیے فیصلہ سازی پر کس طرح اثر انداز ہو سکتے ہیں؟

اِس مرحلے پر گروپ طے کرتا ہے کہ تجویز کے متعلق فیصلہ سازی پر مؤثر طور پر اثر انداز ہونے کے لیے کون سی حکمت عملیاں سب سے بہتر رہیں گی۔ جن عوامل پر غور کیا جائے گا ان میں فیصلہ سازی کے مقام کی نوعیت، فیصلہ سازوں کے مفادات، سیاسی ماحول میں طاقتور حلقوں کی نوعیت اور بذاتِ خود گروپ کی صلاحیتیں شامل ہیں۔ اپنائی جانے والی حکمت عملیاں مختلف نوعیت کی اور تخلیقی ہونی چاہییں۔ اِن میں لابنگ، تنظیم سازی، تعلیم اور حساسیت کا شعور، اور صحافتی کام نیز جہاں ضروری ہو سماجی تحریک شامل ہو سکتی ہے۔

مرحلہ 7: سرگرمیوں کے بارے میں منصوبہ بندی

منتخب شدہ حکمت عملیاں اختیار کرنے کے لیے کیا کچھ کرنے کی ضرورت ہے؟

اس مرحلے پر، گروپ ایسی مخصوص سرگرمیوں کے بارے میں منصوبہ بناتا ہے جو مرحلہ 6 میں بیان حکمت عملیوں کے اطلاق کے لیے استعمال کی جائیں گی۔ قابلِ عمل، مخصوص کاروائیوں، اور کام کو منظّم کرنے کے طریقہ کار کے بارے میں فیصلہ سازی اِس عمل کا حصہ ہے۔ ہر سرگرمی کے اہداف واضح طور پر ترتیب دیے جائیں، اور سرگرمیوں کی ایک فہرست مرتب کی جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ ہر ایک سرگرمی کی بنیادی ذمہ داری کس پر عائد ہے اور سرگرمی کے اطلاق کی مدت بھی طے کی جائے۔ مطلب یہ کہ ایسا منصوبہ بنایا جائے جو لچکدار اور مؤثر ہو اور ہر ایک کی شمولیت کی حوصلہ افزائی کرتا ہو۔

مرحلہ 8: جائزے کا عمل جاری رہنا چاہیے

جو کچھ حاصل ہوا ہے، جو کچھ حاصل نہیں ہوا، اور کیوں؟

آخری مرحلے میں، اِس امر کو یقینی بنایا جائے کہ گروپ کے پاس کافی وقت اور موزوں مقام ہو جہاں وہ اپنی ایڈووکیسی کے کام کی منصوبہ بندی اور اطلاق کا مسلسل جائزہ لیتا رہے۔ جن پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے گا اِن میں حکمت عملیوں کا اطلاق، مخصوص مسئلے کے حل ہونے (یا حل نہ ہونے) پر ایڈووکیسی کے اقدام کا اثر، گروپ وسول سوسائٹی کی بہتری میں اس کا کردار، اور جمہوریت پر اثرات شامل ہیں.

(WOLA, BROT FÜR DIE WELT, CEDPA, MANUAL FOR FACILITATORS OF ADVOCACY TRAINING SESSIONS)

حفاظتی گارڈر ٹوٹ پھوٹ کا شکار

چمن چمن۔ کوئٹہ شاہراہ درہ کوژک کے مقام پر روڈ کے کنارے لگے ہوئے حفاظتی گارڈر کافی عرصے سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئے ہیں اور موسم سرما کی بارشیں بھی شروع ہوگئی ہیں۔ پہاڑ کے ساتھ بنی ہوئی اکثر دیواریں بھی ٹوٹ گئی ہیں، نالیاں بھی پہاڑ کے گرے ہوئے پتھروں سے بھر چکی ہیں۔ شاہراہ کی خستہ حالت کی وجہ سے عوام کو سفر کرنے میں بہت مشکلات کا سامنا ہے۔ اہلیانِ چمن نے نیشنل ہائی وے اتھارٹی کے ذمہ داروں سے اپیل کی ہے کہ وہ شاہراہِ درہ کوژک کی بہتری کیلئے اقدامات اٹھائیں۔

(صدیق شمشاد)

سرجن اور آئی اسپشلٹ کی خالی آسامیاں پُر کی جائیں

نوشکی ضلعی ہیڈکوارٹر ہسپتال نوشکی سرجن اور آئی اسپشلٹ کی آسامیاں خالی ہیں جس کی وجہ سے نوشکی ڈسٹرکٹ کے باشندوں کو سرجری اور آنکھ میں معمولی تکلیف کے صورت میں 146 کلومیٹر دور صوبائی دارالحکومت کوئٹہ کا سفر کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے غریب مریضوں کو مالی مصائب، مشکلات اور وقت کے ضیاع کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایمرجنسی اور حادثات کی صورت میں زخمیوں کو بروقت طبی امداد نہ ملنے کی وجہ سے زخمیوں کی اموات واقع ہوتی ہے اسی طرح آنکھ میں بھی تکلیف کی صورت میں کوئٹہ جانا پڑتا ہے۔ نوشکی ڈسٹرکٹ کی دو لاکھ سے زائد آبادی سرجن کے سہولت سے محروم ہے صوبائی حکومت صحت کے حوالے سے بلند و بانگ دعوے کرتے ہوئے نہیں تھکتی لیکن دوسری جانب ضلعی ہیڈکوارٹر ہسپتالوں میں بنیادی سہولیات کا فقدان ہے جس کی وجہ سے غریب عوام مشکلات، مالی مصائب اور دشواریوں کا شکار ہے صحت کا قلم دان وزیر اعلیٰ بلوچستان کے پاس ہے نوشکی کے عوامی اور سماجی حلقوں نے وزیر اعلیٰ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ غریب عوام کی مشکلات کو مدِنظر رکھتے ہوئے ضلعی ہیڈکوارٹر ہسپتال میں سرجن، آئی اسپشلٹ اور دیگر ڈاکٹروں کی تعیناتی کے لیے فوری اقدامات کریں۔

(محمد سعید بلوچ)

بچی سے زیادتی کی کوشش

سانگھڑ 15 نومبر کو ضلع سانگھڑ کی تحصیل شہداد پور کی رہائشی 8 سالہ بچی محمد بخش کالونی سے کھانے کے لیے گھر سے چیز لینے نکلی تو پھیری کر کے کپڑے فروخت کرنے والے ظفر مکرانی بچی کو بہلا پھسلا کر مائی سونی محلّہ میں لے جا کر زیادتی کی کوشش کر رہا تھا کہ بچی کے ورثاء اور محلّہ کے افراد پہنچ گئے۔

ان افراد نے پہلے تو ظفر مکرانی کو کافی مارا پیٹا اس کے بعد شہداد پور پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ پولیس کا کہنا ہے کہ وہ اس سلسلے میں انکوائری کر رہے ہیں۔ جب کہ بچی کے ورثا کا کہنا ہے ہماری اعلیٰ حکام سے اپیل ہے کہ ملزم کو سخت سے سخت سزا دی جائے۔

(محمد ابراہیم خلجی)

بیوی کو قتل کر دیا

اوکاڑہ رینالہ کے نواحی گاؤں 1AL/1 میں خاوند نے سابقہ خاوند کے بچوں کو میکے نہ چھوڑنے کی رنجش پر بیوی کو قتل کر کے گڑھے میں دفن کر دیا۔ رشتہ داروں کی مدد سے 25 دن بعد کھیتوں سے گڑھا کھود کر لاش کو برآمد کر لیا گیا۔ جمیلہ بی بی کے پہلے خاوند سے 4 بچے تھے۔ محمد اشرف اپنی بیوی کو سابقہ خاوند کے بچوں کو میکے چھوڑنے کا کہتا جس سے اکثر گھر میں لڑائی جھگڑا رہتا۔ 2020/10/4 کو محمد اشرف اپنی بیوی کو شاپنگ کے بہانے موٹر سائیکل پر سوار کر کے ساتھ لے گیا اور اپنے گاؤں 1AL/1 کے کھیتوں میں لے جا کر بچوں کو میکے نہ چھوڑنے کے رنج میں 30 بور پسٹل سے فائرنگ کر کے قتل کر دیا اور لاش کو کھیتوں میں گڑھا کھود کر دفن کر دیا۔ 25 دنوں بعد رشتہ داروں کی پوچھ گچھ کرنے پر خاوند محمد اشرف نے قتل کا اعتراف کیا اور بیوی کی لاش کو برآمد کروایا۔ اس واقعہ کی اطلاع ملنے پر تھانہ صدر پولیس رینالہ نے کارروائی کرتے ہوئے لاش کو پوسٹ مارٹم کے بعد ورثاء کے حوالے کر دیا اور ملزم محمد اشرف کو پکڑ کر پابند سلاسل کر کے دفعہ 302 / 201 ت پ کے تحت مقدمہ درج کر لیا ہے۔

(اصغر حسین حماد)

سکول میں طلباء سہولیات سے محروم

خیبر گورنمنٹ مڈل سکول زرجان کلے برگ بازار ذخہ خیل میں سہولیات نہ ہونے کے باعث طلباء کھلے آسمان تلے تعلیم حاصل کرنے پر مجبور ہیں۔ دورِ جدید میں طلباء کیلئے کرسی تو دور کی بات ہے کلاس روم بھی نہیں۔ چار کلاسز کے طالبعلم کھلے آسمان تلے پڑھنے پر مجبور ہیں، علاقے میں صرف ایک ہی مڈل سکول ہے۔ اسے ہائی سکول کا درجہ دیا جائے۔ ضلع خیبر کی تحصیل لنڈی کوتل کے دور افتادہ علاقہ بازار ذخہ خیل میں گورنمنٹ مڈل سکول زرجان کلے برگ میں طلباء کے لیے کرسیاں نہ ہونے کے باعث وہ سردی میں ٹھنڈی زمین پر تعلیمی سرگرمیاں جاری رکھنے پر مجبور ہیں۔ مذکورہ سکول میں کل 359 طلباء زیرِ تعلیم ہیں جن کیلئے محکمہ تعلیم نے کسی قسم کے اقدامات نہیں اٹھائے۔

(نامہ نگار)

لاپتہ بہن کی بازیابی کی فریاد

ڈیرہ اسماعیل خان ٹانک کی رہائشی مسماۃ انیلہ شاہین اپنی بہن کی بازیابی کیلئے ڈیرہ پریس کلب پہنچ گئی۔ اپنے بوڑھے والد فرید اور بھائی حکمت اللہ کے ہمراہ میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے انیلہ شاہین نے کہا کہ پانچ نومبر کو میری بہن مسماۃ نگہت شاہین ڈیرہ میں واقع پرائیویٹ سکول ڈیوٹی کے لیے اپنے کزن نقیب اللہ کے ہمراہ جا رہی تھی کہ راستے میں عنایت اللہ ولد عبداللہ جان نے اپنے تین نامعلوم افراد کے ساتھ مریالی عیدگاہ کے مقام پر اُسے اغواء کر لیا۔

(نامہ نگار)

لاپتہ نوجوان کی مسخ شدہ نعش برآمد

پشاور 22 اکتوبر کو تھانہ شاہ قبول کے علاقہ سے گزرنے والی نہر سے لاپتہ ہونے والے نوجوان کی مسخ شدہ نعش برآمد کی گئی ہے۔ پولیس نے لاش پوسٹ مارٹم کے بعد ورثاء کے حوالے کر دی اور تفتیش شروع کر دی۔

(روزنامہ آج)

کھلونا نما بم دھماکہ، 8 سالہ بچی زخمی

بنوں 6 نومبر کو بنوں میریان میں کھلونا بم کے دھماکہ میں 8 سالہ بچی زخمی ہوگئی، تھانہ میریان کی حدود میں واقع کوٹکہ جٹان نورڑ کی اراضیات میں نامعلوم شرپسندوں نے کھلونا نما بم نصب کیا تھا جس پر وہاں سے گزرتے ہوئے 8 سالہ خاتمینہ بی بی دختر عمر تاج علی خان کی نظر پڑی، اس نے جیسے ہی بم اٹھایا تو زوردار دھماکہ کے ساتھ پھٹ گیا اور بچی زخمی ہوگئی۔ میریان پولیس نے زخمی بچی کے والد عمر تاج علی خان ولد ولی خان کی رپورٹ پر مقدمہ درج کر لیا۔

(نامہ نگار)

خاتون کو بیدری سے قتل کر دیا گیا

مـــردان 14 نومبر 2020ء کو رُستم میں نامعلوم وجوہات کی بناء پر خاتون کو گھر کے اندر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ملزم ارتکابِ جرم کے بعد فرار ہو گیا۔ تفصیلات کے مطابق رستم کے نواحی علاقہ جعفر آباد مچھی کی رہائشی زوجہ جمشید سکنہ جعفر آباد نے پولیس تھانہ رستم میں رپورٹ درج کراتے ہوئے بتایا کہ اس کی بہو اپنے کمرے میں سو رہی تھی کہ اس دوران ملزم خالد ولد محمد دین سکنہ جعفر آباد نے ہمارے گھر میں آکر فائرنگ شروع کر دی جس کے نتیجے میں وہ موقع پر دم توڑ گئی۔ وجہ عناد معلوم نہیں ہو سکی۔ پولیس تھانہ رستم نے مقدمہ درج کر کے مزید تفتیش شروع کر دی ہے۔

(روزنامہ آج)

احمدیوں کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے ضروری اقدامات کئے جائیں

چناب نگر ضلع ننکانہ میں ایک احمدی کے گھر پر 20 نومبر کو جمعہ کی نماز کے بعد فائرنگ کے نتیجہ میں ایک احمدی ڈاکٹر طاہر احمد موقع پر جاں بحق ہو گئے۔ جبکہ ان کے والد طارق احمد صاحب کی حالت تشویشناک ہے۔ اس واقعہ میں دیگر دو احمدی بھی فائرنگ کے نتیجہ میں زخمی ہوئے ہیں۔ تفصیلات کے مطابق مقتول طاہر احمد اور خاندان کے چند افراد گھر میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے جمع ہوئے تھے۔ نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد وہ گھر سے نکل رہے تھے کہ ایک شرپسند فرد نے فائرنگ کر دی۔ مقتول ڈاکٹر طاہر احمد کی عمر 31 برس تھی۔ قاتل کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ جماعت احمدیہ کے ترجمان سلیم الدین صاحب نے اس افسوسناک واقعہ پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے شدید مذمت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ احمدیوں کے خلاف ایک طویل عرصہ سے نفرت انگیز مہم جاری ہے جس میں کھلے عام احمدیوں کو واجب القتل قرار دیا جاتا ہے۔ اس مہم نے اب پر تشدد رنگ اختیار کر لیا ہے۔ عقیدے کے اختلاف کی بنا پر اس سال پانچ احمدیوں کو جبکہ گزشتہ چار میں میں چار احمدیوں کو قتل کیا جا چکا ہے۔ ترجمان نے کہا کہ وہ مسلسل حکومت کے ارباب اختیار کو درخواست کر رہے ہیں کہ احمدیوں کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے ضروری اقدامات کریں تاہم محسوس ہوتا ہے کہ حکومتی عمائدین کو تحفظ سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ جبکہ محبِّ وطن احمدی ریاست کی جانب سے تحفظ مہیا کئے جانے کے حقدار ہیں۔ ترجمان نے احمدیوں پر حملہ کرنے والوں کو قانون کے مطابق سخت سزا دینے اور ان کی سرپرستی کرنے والے عناصر کو قانون کے کٹہرے میں کھڑا کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔

(ترجمان جماعت احمدیہ پاکستان)

میڈیا انڈسٹری بحران کا شکار

حیـدرآباد پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس کے صدر جی ایم جمالی نے کہا ہے کہ موجودہ حکومت کے آتے ہی میڈیا انڈسٹری بحران کا شکار ہو گئی اور ہزاروں کی تعداد میں میڈیا ورکرز اور صحافی بے روزگار ہو گئے۔ صحافیوں کو درپیش مسائل انٹرنیشنل فیڈریشن آف جرنلسٹس کے فورم پر بھی اٹھائے گئے۔ حیدرآباد پریس کلب میں حیدرآباد یونین آف جرنلسٹس کے تحت منعقدہ استقبالیہ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ موجودہ حکومت کے دور میں جتنی تعداد میں صحافی بے روزگار ہوئے اس کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ میڈیا انڈسٹری کے بحران کی ذمہ دار وفاقی حکومت ہے۔

(لالہ عبدالحلیم شیخ)

عقیدے کی بناء پر احمدی کا قتل

پشاور محبوب خان ابن مکرم سید جلال کو مذہبی انتہا پسندوں نے 8 نومبر کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ وقوعہ کے بعد حملہ آور فرار ہو گئے۔ وقوعہ کا مقدمہ زیر نمبر 1018 تھانہ بڈھ بیر پشاور میں درج ہوا اور تا حال کوئی گرفتاری عمل میں نہیں آئی۔ تفصیلات کے مطابق مرحوم کی عمر 80 برس تھی۔ وقوعہ کے دن وہ پشاور جانے کے لیے بس سٹاپ پہنچے کہ انتہا پسندوں نے ان کا تعاقب کر کے فائرنگ کر دی جس کے نتیجے میں وہ موقع پر دم توڑ گئے۔ مرحوم نے پبلک ہیلتھ انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ میں طویل عرصہ تک توفیق پائی۔ وہ علاقہ میں اچھی شہرت کے حامل تھے۔ کسی سے کوئی تنازعہ یہ جھگڑا نہیں تھا۔ احمدی کی حیثیت سے دیگر احمدیوں کے ساتھ ساتھ اُن کو مخالفانہ حالات کا سامنا تھا۔ حال ہی میں افراد جماعت احمدیہ کے خلاف پشاور میں مذہبی انتہا پسندی کی سرگرمیوں میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ خیبر پختونخوا میں مذہبی انتہا پسندوں اور کالعدم تنظیموں کی طرف سے افراد جماعت احمدیہ کو جان لیوا حملوں، تشدد، بائیکاٹ اور امتیازی سلوک کے ماحول میں زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے اور مخالفانہ سرگرمیوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ریاست بلا تفریق مذہب و ملت آئین پاکستان کے تحت بحیثیت پاکستانی شہری ہر شہری کے جان و مال کے تحفظ کو یقینی بنائے اور جو مفاد پرست عناصر اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے ان سرگرمیوں میں ملوث ہیں ان کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی عمل میں لائی جائے۔

(سردار خضر حیات)

لاپتہ بچی کی لاش برآمد

نواب شاہ 14 نومبر کی شام شہید بینظیر آباد کے علاقے جام صاحب کے نواحی گاؤں میر حسن رند سے لاپتہ 13 سالہ معصوم نمرا کی جھلسی ہوئی نعش کھیتوں سے ملی جسے پوسٹ مارٹم کے لیے پی ایم یو ہسپتال نوابشاہ پہنچایا گیا۔ واقعہ کی اطلاع ملتے ہی ایچ آر سی پی کے ساتھی بھی پی ایم یو ہسپتال پہنچے اور واقعہ سے متعلق معلومات حاصل کیں۔ ابتدائی معلومات میں بتایا گیا کہ عین ممکن ہے کہ بچی کو جنسی زیادتی کے بعد جلا کر مارا گیا ہو۔ اگلے روز پوسٹ مارٹم کے بعد پولیس نے اس بات کی تصدیق نہیں کی کہ بچی کو جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔ نمرا کے قتل کا نوٹس لیتے ہوئے معاملہ کی تحقیقات کے لئے ایس ایس پی شہید بینظیر آباد نے 3 رکنی کمیٹی تشکیل دے دی جو قاتلوں کا سراغ لگائے گی۔ بچی کی موت آگ میں جھلسنے سے واقع ہوئی ہے۔ بچی کا جسم جھلسا ہوا تھا۔ مقتولہ نمرا رند کے بھائی اختیار رند کے مطابق اُن کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں۔ اس نے کہا کہ اس کی بہن کے قاتلوں کو سزا دی جائے۔

(آصف البشر)

خاتون کا تحفظ کے لئے احتجاج

حیدر آباد 20 نومبر کو قاضی احمد کے گاؤں ننگر چانڈیو کی رہائشی رحیمہ زوجہ یار محمد نے حیدر آباد پریس کلب کے سامنے دوسرے روز بھی اپنے تحفظ کے لئے احتجاج کیا۔ اس موقع پر انہوں نے ایچ آر سی کو بتایا کہ اُسے علاقہ کے رہائشی با اثر شخص وڈیرہ حنیف چانڈیو کی جانب سے ناجائز تعلقات نہ رکھنے پر پانچ سال سے بلا جواز تنگ و ہراساں کیا جا رہا ہے۔ مذکورہ شخص کو پولیس کی پشت پناہی بھی حاصل ہے اور اس نے انتقامی کارروائی کرتے ہوئے اُس کے گھر کے دس افراد کیخلاف جھوٹے کیس بھی درج کرائے ہیں۔ متعلقہ اداروں اور تھانے میں تحفظ کے لئے درخواستیں دینے کے باوجود اُسے کہیں سے بھی انصاف نہیں مل رہا۔

(لالہ عبدالحلیم شیخ)

اسسٹنٹ کمشنر کا سکولوں کا دورہ

مورو کورونا وائرس کے مریضوں میں دن بدن اضافے اور اموات ہونے کیپیش نظر اسسٹنٹ کمشنر مورو احسان اللہ یوسفزئی پٹھان نے تعلقہ مورو میں تعلیم دینے والے اداروں پرائمری سکولز، مڈل سکولز اور دیگر جگہوں کا اچانک دورہ کیا اور ایس او پیز کے تحت چلنے والے سکولز کے اساتذہ اور طلبہ کو شاباش دی۔ اسسٹنٹ کمشنر مورو احسان اللہ یوسفزئی پٹھان نے کہا کہ سندھ میں کورونا وائرس کے بڑھنے کے خدشات بڑھ رہے ہیں۔ ہم نے کورونا وائرس کو پھیلنے سے روکنے کے لئے لاک ڈاؤن پر عمل کیا تھا، اب ہم بے احتیاطی کر کے اس محنت کو ضائع کر رہے ہیں۔ اساتذہ کو چاہیئے کہ وہ سکول میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آنے والے بچوں کو ماسک پہننے اور صفائی رکھنے کے عمل کو یقینی بنائیں اور طلبہ کو صابن سے بار بار ہاتھ دھونے کا درس دیں اور سکول میں ایس او پیز کے تحت فاصلہ رکھیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ تعلیم سے ہی ملک ترقی کرے گا، تعلیم سے ہی انسان میں شعور بیدار ہوگا، تعلیم ہمارے معاشرے کے لئے ضروری ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ استاد کا مرتبہ بہت بلند ہے اور استاد کا احترام کرنا چاہیئے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اگر کسی سکول میں تعلیم اور سہولیات کے حوالے سے کوئی بھی جائز مسئلہ ہو تو ان سے رابطہ کیا جائے تو مسئلہ جلد ہی حل کر کر دیا جائے گا۔ اسسٹنٹ کمشنر مورو کے ساتھ صحافی سندھی الطاف سومرو، صحافی تیمور احمد اور دوسرے صحافی بھی ساتھ تھے۔ اسسٹنٹ کمشنر مورو کے اس عمل سے مورو شہر کی عوام، اساتذہ، طلبہ اور بچوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

(الطاف سومرو)

خواجہ سراء کے ساتھ جنسی زیادتی

مردان 12 نومبر 2020ء کو چند اوباش نوجوانوں نے خواجہ سراء کو اغواء کر کے جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا متاثرہ خواجہ سراء کے جسم کو دانتوں سے کاٹتے رہے۔ پولیس کے مطابق خواجہ سراء عدنان عرف خوشی اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ شادی کی تقریب میں ناچ گانا کر کے شیر گڑھ سے واپس پشاور جا رہا تھا کہ ملاکنڈ روڈ جھنڈئی کے قریب سات افراد نے اچانک اس کی گاڑی زبردستی روک لی اور خواجہ سراء کو اٹھا کر اپنی گاڑی میں ڈال لیا اور تخت بھائی کے علاقہ میں لیجا کر اس سے باری باری زیادتی کی۔ ملزم خواجہ سراء کے جسم کو دانتوں سے کاٹتے رہے۔ پولیس نے میڈیکل رپورٹ کی روشنی میں ملزمان جنید، بلال، خلیل، فیاض، حمزہ، عبداللہ اور عطاء کے خلاف ضابطہ فوجداری کی مختلف دفعات کے تحت مقدمہ درج کر کے ایک ملزم جنید کو گرفتار کر لیا ہے، دیگر ملزموں کی تلاش جاری ہے۔ (نامہ نگار)

اہلکاروں کا تنخواہوں کی ادائیگی کیلئے احتجاجی مظاہرہ

جنوبی وزیرستان 16 نومبر ء کو جنوبی وزیرستان کے پولیس اہلکاروں تنخواہوں کی ادائیگی کیلئے احتجاجی مظاہرہ کیا اور ڈپٹی کمشنر کمپاؤنڈ کے سامنے ٹائر جلا کر کمپاؤنڈ کا دروازہ کئی گھنٹوں تک بند رکھا۔ حال ہی میں خاصہ داروں سے پولیس میں ضم ہونے والے سینکڑوں پولیس اہلکاروں نے ڈپٹی کمشنر کمپاؤنڈ جنوبی وزیرستان کے مین گیٹ کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کیا۔ اہلکاروں نے ڈپٹی کمشنر کمپاؤنڈ کے مین گیٹ کے سامنے ٹائر جلا کر کمپاؤنڈ کا دروازہ کئی گھنٹوں تک بند رکھا جس سے عوام کو دفتری امور میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ احتجاج کرنے والے اہلکاروں کا کہنا تھا کہ گزشتہ چار ماہ سے بلاوجہ کے ان کی تنخواہیں بند کر دی گئی ہیں۔ مظاہرین نے الزام عائد کیا کہ ڈی پی او آفس کے کچھ عناصر پولیس فورس کی تنخواہوں کی ادائیگی میں مسئلے بنا کر بینک کے ذریعے تنخواہیں فراہم کرنے کی بجائے مینول طریقے سے تنخواہیں دیتے ہیں اور یوں وہ ناجائز کٹوتی کرتے ہیں، مظاہرین نے بند تنخواہوں کی فوری واگزاری سمیت تنخواہوں بندشمیں ملوث عملے کے خلاف کاروائی کا مطالبہ کیا ہے۔

(نامہ نگار)

خواتین پر تشدد

پشاور 2 نومبر کو شاہ قبول کے علاقہ قوت الاسلام میں نامعلوم وجوہات کی بناء پر ملزم نے ایک گھر پر دھاوا بول کر خواتین کو تشدد کا نشانہ بنایا۔ زرقا بی بی زوجہ عمران سکنہ محلہ قوت الاسلام نے مقدمہ درج کراتے ہوئے پولیس کو بتایا کہ ملزم حبیب الرحمان عرف عصمت ولد شفیق الرحمان سکنہ یکہ توت دروازہ توڑ کر اُن کے گھر میں داخل ہوا اور ان کے خاوند کے بارے میں دریافت کرتا رہا، اس دوران ملزم نے مجھے اور میری پھوپھی کو کمرے میں بند کر کے ہمارے کپڑے پھاڑ ڈالے، ملزم ہمیں تشدد کا نشانہ بنا کر فرار ہو گیا، پولیس کے مطابق واقعہ کی وجوہات تاحال معلوم نہیں ہو سکیں۔ ملزم کے خلاف مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کر دی گئی ہے۔ (نامہ نگار)

طالبات کو ہراساں کرنے کے خلاف احتجاجی مظاہرہ

پشاور 11 نومبر 2020ء کو اسلامیہ یونیورسٹی کی طالبات نے ادارے میں ہراسگی کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کیا جس میں طالبات کے ساتھ اظہار یکجہتی کے طور پر طلباء بھی شریک ہوئے۔ مظاہرین نے وائس چانسلر کے دفتر کے باہر احتجاج کرتے ہوئے یونیورسٹی انتظامیہ اور اساتذہ کے خلاف نعرے بازی کی۔ مظاہرین کا کہنا تھا کہ اسلامیہ کالج یونیورسٹی میں طالبات کو ہراساں کیا جانا معمول بنتا جا رہا ہے۔ کالج انتظامیہ کی جانب سے طالبات کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے اور نہ ہی ایسے واقعات کی روک تھام کیلئے کوئی اقدامات اٹھائے جا رہے ہیں۔ مظاہرین طالبات نے الزام عائد کیا کہ پرچوں کی چیکنگ اور تحقیقی مقالوں کے دوران اساتذہ کی جانب سے طالبات کو ہراساں کیا جاتا ہے جو غیر شرعی، غیر اخلاقی اور غیر قانونی اقدام ہے۔ مظاہرین نے مطالبہ کیا کہ اسلامیہ کالج میں زیر تعلیم طالبات کو تحفظ فراہم کیا جائے اور ہراسگی میں ملوث افراد کو سزا دی جائے۔

(نامہ نگار)

حجام کی شاگرد کے ساتھ جنسی زیادتی

ڈیرہ اسماعیل خان 12 نومبر 2020ء کو تھانہ صدر کی حدود ہمت میں حجام نے شاگرد سے زیادتی کی۔ متاثرہ بچے کے والد کی رپورٹ پر صدر پولیس نے ملزم کے خلاف مقدمہ درج کر لیا۔ تھانہ صدر میں ثناء اللہ ولد غلام صدیق حجام سکنہ ہمت نے تھانہ صدر میں رپورٹ درج کرائی کہ میرا بیٹا 13 سالہ محمد راشد ملزم عمران ولد غلام یاسین حجام سکنہ ہمت کی حجام کی دکان واقع ڈیال روڈ پر کام کرتا تھا۔ گزشتہ روز ملزم عمران میرے بیٹے کو بہلا پھسلا کر قریبی کھیتوں میں لے گیا اور وہاں اُس سے جنسی زیادتی کی۔ (نامہ نگار)

انسانی حقوق کے عالمی دن

دسمبر

یکم دسمبر	ایڈز کا عالمی دن
2 دسمبر	غلامی کے خاتمے کا عالمی دن
3 دسمبر	معذور افراد کا عالمی دن
5 دسمبر	معاشی اور سماجی ترقی کے لیے رضا کاروں کا عالمی دن
5 دسمبر	زرعی زمین کا عالمی دن
7 دسمبر	شہری ہوابازی کا عالمی دن
9 دسمبر	بدعنوانی کے انسداد کا عالمی دن
10 دسمبر	انسانی حقوق کا عالمی دن
11 دسمبر	پہاڑوں کا عالمی دن
18 دسمبر	تارکین وطن کا عالمی دن
20 دسمبر	انسانی یکجہتی کا عالمی دن

اسلام آباد، 14-15 نومبر 2020: انسانی حقوق کی ایڈووکیسی وحفاظت کے عنوان پر تربیتی ورکشاپ

اظہارِلاتعلقی: براہِ مہربانی نوٹ کرلیں کہ فریڈرک نومان فاؤنڈیشن فار فریڈم (ایف این ایف) کا جہدِ حق کے متن سے مُتفق ہونا ضروری نہیں۔ لہٰذا، جہدِ حق میں شامل مواد وخیالات کی ذِمہ داری کسی طور پر بھی ایف این ایف پر عائد نہیں کی جاسکتی۔

اظہارِ تشکّر: جہدِ حق کی اشاعت کے لیے فریڈرک نومان فاؤنڈیشن فار فریڈم (ایف این ایف) نے مالی معاونت کی ہے جس کے لیے ایچ آر سی پی، ایف این ایف کا انتہائی مشکور ہے۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
”ایوان جمہور“ 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 35838341-35864994 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدیدپریس، 14ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15